اسلامی ـــ علمی ـــ فکری

توحید

بیانِ تفسیر

شافعینِ قیامت

امامت و قیادت کے شرائط

کیا مسلمان حالات سے سمجھوتہ کرلیں ؟

انقلاب، انسان اور معاشرے کی تعمیر

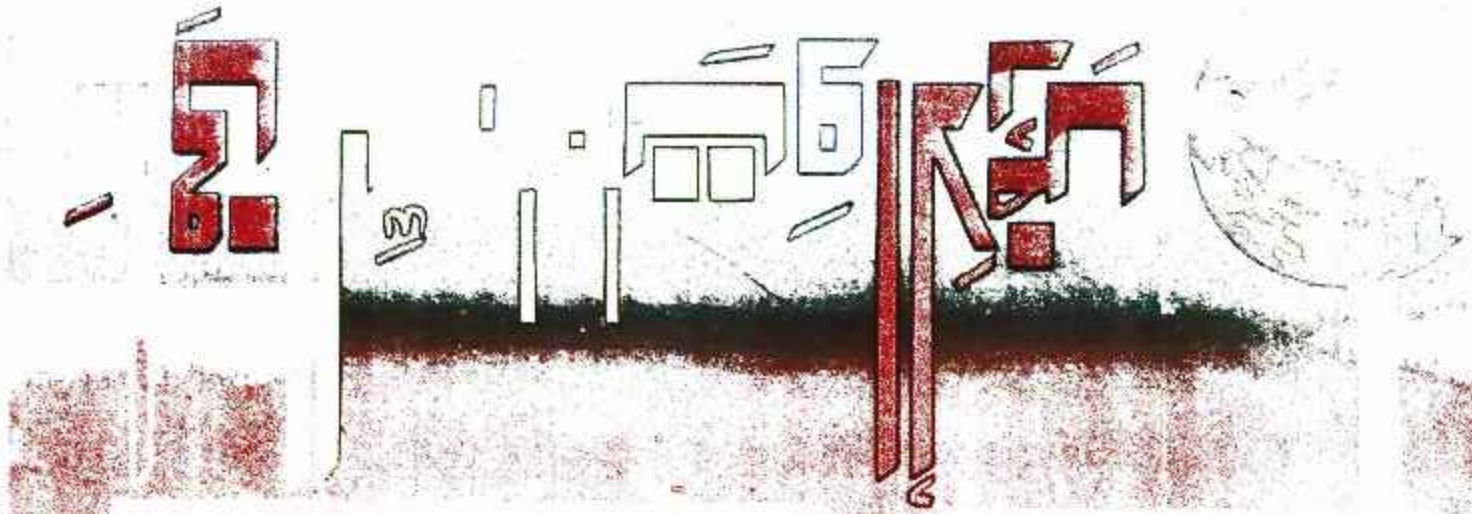

دو ماہی رسالہ

اِسلامی ـــ علمی ـــ فکری

توحید

جلد ۱ رمضان و شوال ۱۴۱۳ھ مارچ و اپریل ۱۹۹۳ء شمارہ ۱

مقاصد

كلمة التوحيد و توحيد الكلمة

- قرآن وسیرت وسنّت پر نئے زاویوں سے بحث اور علمی وعملی پہلوؤں کی تلاش۔
- علمی سطح پر علماء ومحققین اُمت میں اتحاد وہم آہنگی۔
- اسلامی تعلیمات میں آج کے مسائل کا حل دریافت کرنا۔
- فلسفۂ مشرق ومغرب سے فلسفۂ اسلام کا امتیاز۔
- عالمی سطح پر اُبھرتے ہوئے اسلامی، فکری و سماجی انقلاب ونتائج پر گفتگو۔

سالانہ بدلِ اشتراک

مُلک		
ایران	۲۰۰۰	ریال
پاکستان	۷۵	روپے
ہندوستان	۷۵	روپے
بنگلہ دیش	۷۵	ٹکے
متحدہ عرب امارات	۵۰	درہم
سعودی عرب	۵۰	ریال
قطر	۵۰	ریال
کویت	۴	دینار
افریقہ	۲۴	ڈالر
برطانیہ	۱۲	پونڈ
امریکہ	۲۴	ڈالر
کنیڈا	۲۷	ڈالر

اربابِ نظر وصاحبانِ قلم سے تعاون کی آرزو ہے۔ ادارہ

خطاطی: ممتاز رقم

ترتیب

شذرہ

کیا مسلمان حالات سے سمجھوتہ کرلیں؟	ادارہ	۳

قرآن کریم

بیان تفسیر	جناب سید مرتضیٰ حسین صدرالافاضل	۷

عقائد و معارف

شافعین قیامت	جناب شیخ حسین نوری	۲۱
افعالِ الٰہی کے مدارج	جناب محمد تقی مصباح	۳۵

فکر و فلسفہ

خدا کی طرف انسان کا فطری میلان	جناب شیخ جوادی آملی	۵۹
انقلاب سے پہلے ایرانی معاشرے میں مسجدوں کا کردار	جناب شہید ڈاکٹر باہنر	۷۱
انقلاب، انسان اور معاشرے کی تعمیر	جناب ہاشمی رفسنجانی	۸۵
امامت و قیادت کے شرائط	جناب محمدی رے شہری	۹۹
اموال کے بارے میں خلیفۂ ثانی کا نظریہ	جناب سید جعفر مرتضیٰ	۱۱۳

تاریخ و سیر

جناب خدیجہ سے ازدواج	جناب ہاشم رسولی محلاتی	۱۱۹

ادارے کا مقالہ نگار کی ہر رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔

مندرجاتِ توحید نقل کرنے کی اجازت ہے لیکن توحید کا حوالہ ضروری ہے۔

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر سید محمد عسکری نے مرکزی پریس دہلی سے چھپوا کر ۶۰/۱، حوض سوئیوالان انٹی دہلی ۲ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرہ

کیا مسلمان حالات سے سمجھوتہ کرلیں؟

اس وقت روئے زمین پر آباد ایک ارب سے زیادہ مسلمان جن پیچیدہ اور سخت حالات سے گزر رہے ہیں اس کی مثال ماضی کی تاریخ میں کم ہی نظر آتی ہے اور یہ کہنا غلط نہیں لگتا کہ آج کا مسلمان جیسے کوئی دوسری ہی مخلوق نظر آنے لگا ہے، جسے مختلف ملکوں میں زیر کرنے، تباہ و برباد کرنے اور ختم کرنے کی بہیمانہ سازشیں رچی جارہی ہیں۔ مسلمانوں کا وجود گویا ایک ڈراؤنا خواب ہوکر رہ گیا ہے۔ مقبوضہ فلسطین ہو یا لبنان، بوسینا ہرزگوینا ہو یا روس کے نوآزاد مسلمان ممالک، افریقہ کے مسلمان ملک ہوں یا ہندوستان کی سرزمین، ہر جگہ اللہ کا نام لینے والے زمین کے ان باشندوں کا خون پانی کی طرح بہایا جارہا ہے۔

کیا درحقیقت مسلمان ایسے ہی خطرناک ہیں؟ کیا ان کا ماضی ایسا ہی تاریک ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ فضائے گیتی پر جب سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی حیات افروز آواز گونجی ہے، زمین کے جس چپہ پر مسلمانوں نے قدم رکھا، جس خطۂ ارض پر توحید کا پرچم لہرایا وہاں سماجی، ثقافتی، تہذیبی اور علمی غرضکہ تمام میدانوں میں انقلاب برپا کیے۔ انسانوں کو ترقی کی شاہراہوں پر گامزن اور انسانیت کو اس کی حقیقی عظمت و وقار سے آشنا کیا۔ آج بھی زمین کے چپہ چپہ پر مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے شاہکار مرقع، چاہے وہ آثار و عمارتوں کی شکل میں ہوں یا آداب و عادات و رسوم کے جامے میں، انسانیت سے

اپنے کمال کا لوہا منوائے ہوئے ہیں۔ آج دنیا کی کتنی ہی قومیں اور ملتیں اس آبِ حیات سے سرشار ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ صرف ان چودہ صدیوں میں اسلام نے دنیائے انسانیت کو اتنا کچھ مادی و معنوی سرمایہ دیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔

پھر کیا وجہ ہے کہ آج بہت سے ملکوں میں مختلف بہانوں سے اور مختلف پروپیگنڈوں کے ذریعے مسلمان کشی کا بازار گرم ہے۔ آخر مسلمان کیسے ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان روئے زمین پر کائنات کے خالق اور حقیقی معبود کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں اور اسی بندگی کے سایے میں وہ اپنے پیغمبر جامع الصفات سے اخلاق کریمہ کا درس لے کر پورے انسانی معاشرے کے اندر انسانیت و شرافت، علم و معرفت، محبّت و اخوّت، عدل و انصاف اور غیرت و حمیّت کی وہ روح پھونکنا چاہتے ہیں جس کے ذریعے دنیا سے ہر طرح کے ظلم و جبر و بربریت، درندگی و شیطنت اور تاریکی و جہالت کا خاتمہ ہو جائے۔ چند نام نہاد مسلمانوں کو چھوڑ کر (جنھوں نے کل بھی اسلام کو رسوا کیا اور آج بھی عالمِ اسلام کے ایک عظیم سرمایے کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے باوجود اپنی عیش پرستیوں اور ہوس بازیوں میں اندھے ہیں۔ عالمِ اسلام غربت و افلاس اور ظلم و ستم سے تڑپ رہا ہے اور وہ خود اسلام دشمن استعمار کے خدمتگذار بنے ہوئے ہیں) دنیا کے تمام مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ دنیا اللہ کے بہترین اور حیات آفریں احکام و قوانین پر عمل کرتے ہوئے ارضی جنت بن جائے اور اللہ کی جانب سے آنے والے تمام انبیاؤ مرسلین کے آنے اور ان کی ہدایتوں کا مقصد بھی یہی تھا۔ انبیائے کرام اور اولیائے عظام انسانی معاشرے سے ظلم و جہالت کی تاریکیاں دور کر کے اسے علم و تہذیب اور دیانت و شرافت کی نورانی فضا میں لانے کے فرائض انجام دیتے تھے، مسلمان بھی اسی نورانی سلسلے کے آئینہ دار ہیں، لیکن آج ظلم و استبداد کی بنیادوں پر استوار طاقتیں اپنے وجود اور اپنی بقا کے لیے اس طرح مسلمانوں کے درپے آزار ہیں گویا زمین پر مسلمانوں کا وجود ہی نہ رہ جائے گا!! تو کیا پھونکوں سے یہ چراغ بجھ جائے گا؟

"یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ..... مشرکین اس الٰہی نور کو پھونکوں سے

بجھانا چاہتے ہیں، جبکہ اللہ خود فرماتا ہے: "واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون" "اللہ خود اس نورانی سلسلے کی حفاظت کرنے والا ہے، چاہے مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے" پھر کیا یہ ممکن ہے کہ موجودہ صورت میں مسلمان حالات سے سمجھوتہ کرلیں اور خاموش ہو کر بیٹھ جائیں؟ اپنے دشمنوں کی اطاعت قبول کرلیں اور ان کے آگے گردن جھکادیں؟ نہیں۔ قرآن کریم اس کیفیت کے ہولناک انجام کی عکاسی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"یاایھا الذین آمنوا ان تطیعوا فریقاً من الذین اوتوا الکتاب یردوکم بعد ایمانکم کافرین" (آل عمران/۱۰۰)

"اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی اطاعت و پیروی کروگے تو وہ تمھیں ایمان سے کفر کی طرف پلٹالے جائیں گے"

اور اگر کوئی بدبخت مسلمان اس راہ پر چل بھی پڑے تو "من یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیئ (آل عمران ۲۸)" اس سے اللہ کی شانِ بے نیازی میں کوئی فرق آنے والا نہیں ہے، بلکہ وہ خود اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کر ڈالے گا۔ پھر آخر مسلمان کیا کریں؟ تو جواب یہ ہے کہ اگر آج مسلمان اللہ کی ذات پر مکمل یقین و ایمان رکھیں اور قرآنی احکام و فرامین پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہوں تو دنیائے ظلم لاکھ سر اٹھائے، اللہ بہرحال ان کا ناصر و مددگار رہے گا، اور یہ بھی قرآنی حقیقت ہے کہ اگر اللہ اپنا نام لینے والوں کا ناصر و یاور نہ ہوتا تو ان کا نام و نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ ینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز" (حج/۴۰-۴۱)

"جو لوگ روئے زمین پر ستائے گئے ہیں انھیں قتال کی اجازت دے دی گئی ہے، اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ جو لوگ اپنے شہر و دیار سے ناحق نکال دیئے گئے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض انسانوں کو بعض لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرتا تو یقیناً عبادت گاہیں، نمازیں اور وہ مسجدیں مسمار کردی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور بلاشبہ خدا اسی کی نصرت و مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے (اور اس کی راہ میں قدم بڑھاتا ہے) یقیناً خداوند عالم ہی قوی و توانا اور غالب و سربلند ہے"

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی عظیم ذات پر مکمل بھروسہ رکھیں، خدائے وحدہٗ لاشریک کی

لامحدود ذات پر اعتماد اور بھروسہ ہی ان کے ارادوں کو پختہ، ان کے دلوں کو قوی اور خود ان کو ہر مشکل میں ثابت قدم بنادے گا۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام نظریاتی، فکری اور علاقائی اختلافات کو بھول کر متحد ہو جائیں۔ اگر مسلمان متحد ہو گئے تو خدا ان کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنادے گا اور اگر سارا عالم اسلام متحد ہو گیا تو کفر و الحاد کو اس کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوگی۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ معاشرہ میں رائج فسادات سے نجات حاصل کرنے کے لیے مسجدوں کو زیادہ سے زیادہ آباد کریں، اسلامی تعلیمات خود حاصل کریں اور نئی نسل کو اس سے آشنا کریں۔ مسجدوں کو اپنی تمام دینی، سماجی اور ثقافتی تحریکوں اور اجتماعات کا مرکز بنائیں۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ علم کے تمام میدانوں میں زیادہ سے زیادہ ترقی کریں، تمام علوم اور ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کریں اور ایسے خود کفیل ہو جائیں کہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر ہو کر جینے سے نجات مل جائے۔ اپنے معاشرے سے جہالت کو مل جل کر دور کریں تاکہ مسلمان معاشرے سے فسادات، خرافات اور اندھے رسم و رواج دور ہو سکیں۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ اقتصادی میدان میں خود کو مستحکم اور مضبوط بنائیں۔ اس طرح پورا اسلامی معاشرہ خوشحالی کی شاہراہ پر چل نکلے گا۔ اپنے غریب اور کمزور بھائیوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر انھیں اوپر اٹھائیں، جس سے وہ خود بھی مضبوط ہوں گے اور معاشرے کو بھی استحکام بخشیں گے۔

مسلمانوں کا فرض ہے کہ سیاسی میدان میں اپنی نقل و حرکت کو تیز سے تیز تر کریں تاکہ عالمی سطح پر ایک صحت مند سیاسی توازن پیدا ہو سکے۔ "ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم....."

یہی وہ راہیں ہیں جن پر اگر مسلمان گامزن رہا تو خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کا ناصر و مددگار ہوگا "ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم" اگر تم اللہ کی نصرت کروگے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدموں کو حق کی راہ میں مضبوطی سے جما دے گا۔

تفسیر

جناب سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

سورۂ نساء آیت ۱۶۳ــــ ۱۷۵

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا
﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ
عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ
لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ لَٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ
يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾

ترجمہ

یقیناً، ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی، جیسے وحی کی تھی نوحؑ اور ان کے بعد

آنے والے انبیاء کی طرف۔ اور ہم نے وحی بھیجی تھی، ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و اولاد یعقوبؑ اور عیسیٰؑ و ایوبؑ و یونسؑ و ہارونؑ و سلیمانؑ کی طرف اور ہم نے عطا کی داؤدؑ کو زبور (۱۶۳) اور کچھ وہ رسول جن کے واقعات ہم نے آپ سے اس کے پہلے بیان کئے اور کچھ وہ رسول جن کے واقعات ہم نے آپ سے بیان نہیں کئے، اور اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا جیسا کلام کرنے کا حق تھا (۱۶۴) اس شان کے رسول جو مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے تھے۔ اس لئے کہ ان پیغمبروں کے بعد لوگوں کی اللہ کے مقابلے میں کوئی دلیل نہ رہے اور اللہ زبردست صحیح صحیح کام کرنے والا ہے (۱۶۵) مگر اللہ تو حقیقی گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ اس نے آپ پر اتارا ہے اپنے خاص علم کے ساتھ اتارا ہے اور ملائکہ گواہی دیتے ہیں اور اللہ گواہی کے لئے کافی ہے۔ (۱۶۶)

تفسیر

۱۶۳- اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ ....

۱۶۴- وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ .....

انبیاء کی راہ ایک ہی تھی

انبیاء میں تفرقہ ڈالنے والوں کو سمجھایا جا رہا ہے۔ یا ان مشرکوں کی غلط فہمی دور کی جا رہی ہے جو کہتے تھے "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کیسے آئی؟ اللہ نے نوحؑ اور دوسرے انبیاء پھر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و اسباط و اولاد یعقوبؑ میں ہونے والے پیغمبروں اور عیسیٰؑ و ایوبؑ و یونسؑ و ہارونؑ و سلیمانؑ علیہ السلام پر وحی کی داؤدؑ کو زبور دی۔ اسی طرح اور اسی انداز میں سب انبیاء کی وحی سے جامع تر وحی اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرف کی جیسا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا سب پیغمبر انبیاء میں فرق کیا اور ہمارے حبیب پر وحی میں حیرت کیوں ہے ؟

پہلی آیت میں حضرت داؤدؑ کے مجموعۂ وحی کا نام "زبور" لیا جو ان کے عارفانہ حکیمانہ پیغام کا خلاصہ ہے اور دوسری آیت میں حضرت موسیٰ پر نازل شدہ کتاب تورات کا نام نہیں لیا۔ وہاں فرمایا : " وکلم اللہ موسیٰ تکلیما "۔ تاکید و اہتمام سے اشارہ یہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء پر وحی کبھی ملک کی آواز اور کبھی صدائے غیب کی صورت میں ہوتی تھی مگر موسیٰ علیہ السلام سے تو یوں باتیں ہوئیں جیسے ایک کہے اور دوسرا سنے۔ یہاں کوئی واسطہ اور پردہ نہ تھا۔

ورسلا قد قصصناھم " میں واو " اگر عطف لفظی کے لئے ہوتا تو عبارت ہوتی = ورسل قد قصصناھم ۔ اس لئے عطف بالمعنیٰ کے ذریعے لطف کلام دوبالا ہو گیا اور مطلب یہ ہوا کہ جس طرح ان رسولوں کو ہم نے بھیجا جس کے واقعات ہم نے تمہارے لئے بیان کئے اور ان پیغمبروں کو جن کے تذکرے ہم نے بیان نہیں کئے اسی طرح ہم نے آپ کو بھیجا۔ تیسرا پہلو یہ ہے " ما سلاً " فعل متصل کی وجہ سے منصوب ہوا۔

سب پیغمبر ایک ہی راہ و روش کے پابند تھے۔ کچھ پیغمبروں کے نام اور کام اللہ نے قرآن میں نازل کر دیئے اور بہت سے انبیاء کے بارے میں تفصیل مذکور نہیں ان سب پر یقین رکھنا لازم ہے۔

۱۲۵۔ رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ......

ضرورت حجت

پیغمبر بھیجے تاکہ تمام حجت ہو جائے ورنہ سرکش آدمی ۔ " ما ارسلت الینا رسولا فنتبع آیاتك " نہ کہہ سکے ۔ انسان نیک و بد جانتا ہے اس کی عقل حسن و قبح میں فرق کرتی ہے ۔ مگر انسان برائی کر کے اپنی برئیت میں کہہ دیتا ہے کہ ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اسی لئے بھیجے کہ وہ قانون جزا و سزا سے لوگوں کو مطلع

کریں اس کے نفاذ کی راہ کو ہموار کریں، لوگوں کو بتائیں کہ شریعت کی پیروی سے کیا ثواب ملے گا اور نافرمانی کی سزا کیا ہوگی۔ اس کے بعد اللہ کی طرف سے حجت تمام ہو جاتی ہے۔

عدل

معلوم ہوا اللہ عادل ہے کیونکہ انبیاء بھیجے بغیر حشر و نشر میں حساب ظلم ہوتا اور بندوں کی دلیل کہ ہمارے پاس تیرا حکم نہ پہنچا صحیح ہوتی لہٰذا تقاضائے عدل ہے کہ اللہ اپنے نمائندے بھیجتا اور اس نے قبل خلقت آدم کو خلیفہ بنا کر حد حکمت و عدل ظاہر کر دی۔

حسن و قبح عقلی

انبیاء کا نہ آنا عقلاً قبیح تھا اور پیغمبروں کی تبشیر و انذار اسی عقلی حسن و قبح کی ترجمانی ہے۔ وہ شریعت کی پابندی اور اللہ کی اطاعت پر انعام کے مژدے سناتے تھے، یعنی عقل و دانش کے مطابق اطاعتِ خدا، اور مخالفت قانون کی اچھائی برائی بتاتے اور جنت کی بشارت اور دوزخ سے ڈرا دیتے تھے۔

افعال خدا بے مقصد نہیں

یہ کائنات بے کار پیدا نہیں کی گئی، اللہ نے ہر مخلوق کو اپنی قدرت و حکمت سے پیدا کیا ہے۔ بے مقصد عمل یا تو وہ انجام دیتا ہے جو مجبور ہو۔ یا وہ جسے کمال علم حاصل نہ ہو اللہ عز اسمہ "عزیز" ہے۔ وہ قادر و توانا ہے لہٰذا اس نے جو پیدا کیا ہے اس کا ذمہ دار ہے وہ شئے بے کار نہیں کسی فائدے پر مبنی ہے۔ وہ "حکیم" ہے اللہ کا ہر کام حکمت پر مبنی، ہر وقت صحیح اور انتہائی اہم اور عقلی طور پر نتیجہ خیز ہے۔

۱۶۶- لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ

ضدی لوگ نہیں مانتے تو کیا ہوا؟ اللہ خود گواہ ہے اس نے آپ پر جو کتاب وحی اتاری ہے وہ اپنے علم ـــ خصوصی علم ـــ کے ساتھ نازل کی ہے، سورۂ فرقان میں ہے کہ "انزلہ الذی یعلم السر فی السموات والارض" قرآن، اس اللہ نے اتارا جو آسمانوں کے راز اور زمین کے بھید جانتا ہے۔ یعنی علم غیر محدود کے پس منظر میں قرآن اترا ہے اس لیے وہ حقانیت رسول پر دلیل ہے یہ گواہی اللہ کی گواہی ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر گواہ کون ہو سکتا ہے۔ ملائکہ مخلوق نور بھی وحی کے گواہ اور محمدؐ کے مصدق اور اسلام کی سچائی کے شاہد ہیں اسکے بعد کسی عقلمند کو شک کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔

قرآن حقانیت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی اللہ کی طرف سے گواہی اور حضور اکرمؐ بذاتہ دلیل وجود و توحید باری تعالیٰ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

ترجمہ

بے شک جو لوگ کافر ہوئے اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنے وہ لمبی گمراہی میں جا پڑے (۱۶۷) بلاشبہ، جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور ظلم کیا اللہ جل وعلا نہ ان کی مغفرت کرے گا اور نہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (۱۶۸) ہاں انھیں جہنم کی راہ دکھلائے گا اسی میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اور یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے (۱۶۹)

تفسیر

۱۶۷- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا .....

اہل ایمان و بے ایمان لوگوں میں ایک گروہ ایسے افراد کا ہے جو کفر کے پرستار ہونے کے علاوہ اس کے افکار پھیلاتے اور لوگوں کو راہ خدا کی طرف جانے سے روکتے ہیں، یہ لوگ فقط کافر اور منکر اسلام ہی نہیں بلکہ یہ غلط روی میں دور نکل گئے۔

۱۶۸- اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ ...

۱۶۹- اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا ...

کافروں میں وہ لوگ زیادہ سزا کے مستحق ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کو جانتے پہچانتے اور اسلامی حقائق کو سمجھتے ہیں یا اس کے باوجود انکار کرتے اور آنحضرت ؐ اور ان کے مومن اصحاب پر سختیاں کرتے ہیں، حضور ؐ پر ایمان نہ لانا بجائے خود اپنی ذات پر ظلم ہے پھر اسلام لانے والوں کو ستانا دوسروں پر ظلم ہے (تبیان، شیخ طوسیؒ) ان لوگوں کو اللہ نہیں بخشے گا ان کو صرف جہنم کا راستہ دکھایا جائے گا اسی کے وہ سزاوار ہیں اور اللہ کی قدرت کاملہ کے لئے یہ آسان بات ہے ایسے حقائق فراموش اور جہالت کوش جس معاشرے میں ہوں ان پر نظر رکھنا چاہیئے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ
لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝

ترجمہ

لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے (آخری) رسول (محمد ؐ) حق لے کر آگئے۔ تو ایمان لے آؤ، تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر کفر کرو گے تو سمجھ لو کہ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے (وہ تم سب سے
بے نیاز ہے) اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے (۱۷۰)

تفسیر

قرآن مجید میں عموماً دعوت کے لئے "الناس" دنیا بھر کے عوام کو متوجہ کیا گیا ہے اور ایک مرتبہ بھی "یا ایھا العرب" نہیں آیا اس لئے اسلام کو کسی قوم کا دین کہنا اور کسی قوم کا اسلام کو اپنے حساب میں درج کرنا غلط ہے حضورؐ کی آمد پر یہ خطاب حاضرین کے لئے باعث فخر ہوگا لیکن آج بھی اس میں وہی لطافت و دلکشی ہے کہ لوگو! "محمدؐ الرسول اللہ" آچکے "الرسول" میں الف لام معرفہ ہے ہی حضور کے لئے۔ وہ پیغام حق بلکہ عین حق لے کر آئے ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ گے تو فائدہ اٹھاؤ گے اور اگر اس رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ مانی تو اس میں مالک کائنات اللہ کا کیا نقصان، تم اس کی سلطنت میں ہو وہ ہر بات سے باخبر ہے وہ ہر کام حکیمانہ طور پر کیا کرتا ہے اس کی گرفت سے کوئی نکل نہیں سکتا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ حق سے مراد ولایت علی علیہ السلام اور کفران سے مراد اسی حق کا انکار ہے (عیاشی) در اصل حضورؐ حق، قرآن حق، اہلبیتؑ حق اور پورا اسلام حق ہے اس لئے اس میں حق کل ہے اس کے جزئیات میں سے ایک بڑا اہم حکم ولایت علی علیہ السلام ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا
عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ
وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ
وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ

وَاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

ترجمہ

اے اہل کتاب! اپنے دین کی حد سے آگے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حقیقت کے سوا کچھ نہ کہو مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور اس کا وہ کلمہ تھے جسے اللہ نے مریم کو بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو "تین" ہیں۔ باز آؤ! تمھارے لیے بہتر ہے یقیناً اللہ بس ایک ہی معبود ہے اللہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کارسازی میں (۱۷۱)

تفسیر

تثلیث و غلو

اسلام، اعتدال اور خط مستقیم اور بندہ و خدا میں حدود کی نگہداشت کرتا ہے اس لئے وہ یہودی کے افکار و احوال پر روشنی ڈال کر یہ سمجھا چکا کہ پیغمبروں کو ان کے مرتبہ سے گھٹانا اللہ کی کتابوں کو بے وقعت سمجھنا، اصول و افکار دین میں اپنی من مانی کمی زیادتی کرنا بنی اسرائیل یہود کی تباہی کا باعث بنا اس آیت میں نصرانیوں کی بات کی جا رہی ہے کہ ان لوگوں نے "دین" میں غلو کا رویہ اختیار کیا۔ وہ تفریط کرتے تھے یہ افراط پر اتر آئے یہ لوگ حد سے بڑھے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت محل بحث ہے یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے فرزند

ہیں۔ نعوذ باللہ ۔ نصرانیوں نے عیسیٰؑ کو اتنا بڑھایا کہ باپ بیٹا، روح القدس۔ کا فلسفہ ایجاد کیا جسے تثلیث کہتے ہیں ۔

قرآن مجید یہاں سادہ انداز میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں چند حدود قائم کرتا ہے

۱ ان کا کوئی باپ نہیں۔ وہ صرف اپنی والدہ حضرت مریمؑ کے فرزند ہیں ۔

۲ مسیح ان کا لقب ہے۔

۳ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں ۔

۴ ۔ عیسیٰؑ کلمۃ اللہ ہیں یہ کلمہ حضرت مریمؑ پر القا ہوا ۔

۵ "روح منہ" ہیں یعنی روح اللہ ۔ "من"، کے معنیٰ تبعیض و جزئیت نہیں نہیں بلکہ خصوصیت اور نسبت کے لئے ہے جیسے حضرت آدمؑ کے لئے فرمایا: ونفخت فیہ من روحی" اس کے بعد عیسائی متکلمین کی موشگافیاں بے نتیجہ بلکہ غلو و گمراہی سے زیادہ کچھ نہیں "من" کی بنیاد پر جزویت مسیح کی بات ہارون رشید کے دربار میں چھڑ گئی اور عیسائی ڈاکٹر نے دربار کو بحث میں الجھا لیا۔ حاضرین میں علی بن حسین واقدی، مؤرخ نے جواب دیا ڈاکٹر صاحب "من"، کو جزء کا مفہوم ثابت کرنے کی بنیاد ملتے ہیں تو سورۂ جاثیہ کی بارہویں آیت اسی قرآن میں ہے: وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ "اور اس نے تمہارے لئے مسخر کر دیا آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کی طرف سے ہے"، اگر آپ کی دلیل صحیح ہے تو ساری کائنات اس کی اولاد ہوتی ہے واقدی کی بات سن کر وہ عیسائی مسلمان ہو گیا۔ اللہ کی توحید مطلقہ اور رسالت رُسل کا یقین و اعتقاد رکھنا اور تثلیث کا انکار واجب ہے اور اللہ کو باپ اور کسی کو اس کا بیٹا کہنا بے ادبی و گمراہی ہے اللہ اس نسبت سے بری اور پاک ہے۔ جب ساری کائنات اللہ کی ملکیت ہے اور کارسازی کیلئے تنہا کافی ہے تو پھر کسی کو فرزند یا شریک کار ماننے کا جواز کیا ہے۔

لَن یَّستَنکِفَ المَسِیحُ
اَن یَّکُونَ عَبدًا لِلّٰہِ وَلَا المَلٰٓئِکَۃُ المُقَرَّبُونَ وَمَن یَّستَنکِف
عَن عِبَادَتِہٖ وَیَستَکبِر فَسَیَحشُرُھُم اِلَیہِ جَمِیعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِینَ
اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیہِم اُجُورَھُم وَیَزِیدُھُم مِّن فَضلِہٖ

لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

ترجمہ

مسیح ہرگز عار نہیں سمجھیں گے کہ اللہ کا بندہ ہوں، اور نہ ملائکہ مقربین اور جو اس کی بندگی سے عار محسوس کرے گا اور غرور برتے گا تو اللہ سب کو اپنی بارگاہ میں محشور کرے گا (۱۷۲) پھر جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ہوگا اور صالح عمل انجام دیئے ہوں گے ان کو ان کے اعمال کا پورا صلہ دے گا اور اپنے فضل و کرم سے اور زیادہ عطا فرمائے گا اور جن لوگوں نے عار سمجھا اور غرور کیا ہوگا انھیں اللہ دردناک عذاب دے گا اور وہ اپنے لئے اللہ کو چھوڑ کر نہ کوئی سرپرست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار (۱۷۳)

تفسیر

۱۷۲- لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ .....

مسیح اور ملائکہ میں کوئی بھی اللہ کا بندہ ہونے میں بے عزتی و عار محسوس نہیں کرتا۔ تم خواہ مخواہ ایک کو خدا کا بیٹا اور روح القدس کو مسیح کے ساتھ معبود اور ملائکہ کو اس کی بیٹیاں بنائے بیٹھے ہو۔ یاد رکھو جو بھی اللہ کی بندگی و عبادت سے اپنے تئیں اونچا سمجھے گا اسے حساب و کتاب اور جواب دہی کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ وہاں ان کو سخت سزا ملے گی اور اس وقت ان کا حامی و ناصر کوئی نہ ہوگا۔

آیت میں ان عیسائیوں کو جو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور ان مشرکوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے یا آج ایسا عقیدہ رکھتے ہیں

شان نزول

نجران کے عیسائیوں کے ایک وفد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور

اس بات پر احتجاج کیا کہ آپ مسیحؑ کے بارے میں توہین آمیز باتیں کرتے ہیں ؟ حضورؑ نے فرمایا: وہ بات کون سی ہے ؟ انھوں نے کہا کہ مثلاً آپ انھیں اللہ کا بندہ اور پیغمبر کہتے ہیں۔ جبکہ وہ ابن اللہ و ثالث ثلاثہ ہیں اسی وقت آیت اتری۔

امام رضاؑ کا جواب

"جاثلیق" عیسائیوں کا مذہبی قائد امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا امامؑ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا: بس یہ ہے کہ وہ عبادت ذرا کم کرتے تھے۔ جاثلیق نے گھبرا کر آواز بلند کی اور کہا نہیں جناب وہ بڑے عابد تھے حضرتؑ نے فرمایا: اچھا تو وہ کس کی عبادت کرتے تھے ؟ آپ تو انھیں خدا کا بیٹا اور شریک خدا کہتے اور مانتے ہیں ؟ دلیل کا انداز ایسا تھا کہ جاثلیق لاجواب رہ گیا۔

ملائکہ مقربین کے تذکرے سے بعض افراد نے ملک کی افضلیت اور پیغمبروں کا تقابل کرنا چاہا ہے لیکن آیت میں صراحت ہے مسیح و ملائکہ مقربین دونوں عبادت سے نہ انکار کرتے ہیں نہ جھجکتے ہیں دونوں بندگی میں یکساں ہیں لہٰذا مسیح و روح القدس کو معبود یا شریک معبود ماننا بے دلیل بات ہے۔

۱۷۳- فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ....

مومن اور عمل صالح کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بھرپور ثواب اور اس پر فضل و کرم کا اضافہ کرے گا، وہ انعام جسے آنکھوں نے کبھی دیکھا نہ کانوں نے سنا ہوگا اور جو لوگ عبادت سے ناک بھوں چڑھائیں اور خود پسندی و بڑائی کی بنیاد پر اطاعت خدا سے سرتابی کریں گے وہ آخرت میں لاوارث و بے سہارا بن کر عذاب الیم میں مبتلا ہوں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ
بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾
فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ

وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ

لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس مضبوط دلیل آچکی اور ہم نے تمھاری طرف چمکتا نور نازل کر دیا (۱۷۴) اس کے بعد جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس سے وابستہ رہے انھیں اللہ اپنے رحم و فضل سے (جنت) میں داخل فرمائے گا اور انھیں صراط مستقیم کی رہنمائی عطا کرے گا (۱۷۵)

تفسیر

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ

برہان روشن کرنے والی شئے۔ ایسی دلیل جس کا دعویٰ واضح طور پر ثابت ہو جائے یہودیوں کی تحریف پسندی اور ہر چیز کو سبک سمجھنا عیسائیوں کی غلو پسندی اور توحید میں تثلیث کو غلط قرار دینے کے بعد تمام انسانوں کو دعوت دی ہے کہ برہان، دلیل توحید و حقانیت اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آچکے، اب مزید کسی پیغمبر اور دلیل کی ضرورت نہیں اور نور یعنی قرآن نازل کیا کہ راستہ روشن رہے، حق کی یہ تجلیاں عقل کے لئے چراغاں ہیں۔

آیت میں توحید پر دو دلیلیں دی گئی ہیں، برہان یعنی حضور اکرم ص اور نور یعنی قرآن۔ نکتہ لطیف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقدم کر کے نور انوار کا درجہ دیا ہے۔

احادیث اہلبیتؑ میں نور کی تفسیر حضرتؑ سے کی گئی ہے اور یہ اس لئے صحیح ہے کہ حضرت علی علیہ السلام قرآن کے ساتھ اور قرآن آپ کے ساتھ ہے۔

۱۷۵- فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَاعْتَصَمُوْا بِہٖ ۔ ۔ ۔ ۔

اللہ پر ایمان اور نورِ مبین سے مکمل وابستگی کے بعد دو فائدے تو یہ ہوں گے کہ سایۂ فضل و رحمت الٰہی و جنت الفردوس میں جگہ ملے گی دوسرے یہ کہ اللہ اپنی طرف پہنچانے والے صراط مستقیم پر استوار رہنے کی توفیق مسلسل سے نواز تا رہے گا ہر مشکل میں اپنی پسندیدہ راہ سے باخبر کرے گا۔ "والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا"

سورۂ فاتحہ میں۔ اھدنا الصراط المستقیم "کے ساتھ شناخت کے لئے راہِ انعمت علیھم اور غیر مغضوب و غیر ضال کہا تھا، یہاں ارشاد ہے کہ اللہ کی توحید کا یقین اور نورِ مبین سے مکمل وابستگی رکھنے والوں کو اللہ صراط مستقیم کی ہدایت و رہنمائی کرتا رہے گا ظاہر ہے کہ یہاں نورِ مبین کا دائرہ، انعمت علیہم کو گھیرے ہوئے ہے۔

معاد

شافعین قیامت

جناب شیخ حسین نوری
ترجمہ: جناب سید ولی الحسن رضوی

گزشتہ مقالہ میں "قیامت کی شفاعت" کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اسلامی آیات و روایات کی روشنی میں ہم نے عرض کیا تھا کہ "شفاعت" اسلامی اصول و عقائد میں ایک بنیادی چیز ہے چنانچہ خداوند عالم کی بارگاہ میں مخصوص عظمت و منزلت کی بنیاد پر بعض افراد کو خداوند متعال کی ہی جانب سے یہ حق عطا کیا گیا ہے کہ وہ خداوند قدوس کے سامنے بعض ایسے گناہ گاروں کی شفاعت کر کے ان کو الٰہی عذاب اور جہنم واصل ہونے سے نجات بخشیں اور رحمت الٰہی ان کے شامل حال کر کے انھیں بہشت میں جانے کے قابل بنا دیں کہ جو اس کے لائق ہیں۔

چنانچہ اس ضمن میں تفصیل کے ساتھ ہم عرض کر چکے ہیں کہ قیامت کے دن شفاعت کرنے والی سب سے پہلی اور عظیم ترین شخصیت پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوگی اب ہم ان عظیم شافعین قیامت میں سے کچھ اور روشن و تابناک چہرے پیش کر رہے ہیں۔

قرآن کی شفاعت

اس سلسلہ میں اہلبیت علیہم السلام سے بہت سی حدیثیں نقل ہوئی ہیں، ہم

یہاں نمونہ کے طور پر صرف دو روایتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں :

(الف) امام محمد باقر علیہ السلام محدثین میں معروف "سعد" نامی شخص سے فرماتے ہیں : اے سعد قرآن سیکھو اور اس کے مفاہیم و معانی اور سیاق و سباق سے بھرپور آشنا ہو جاؤ کیوں کہ قیامت کے دن قرآن کو بڑا ہی نمایاں مقام حاصل ہوگا اس وقت جبکہ تمام انسان کہ جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار صفوں پر مشتمل ہوگی ـــــ اسّی ہزار صفوں میں پیغمبر اسلامؐ کی امت اور چالیس ہزار صفوں میں دیگر امتیں ـــــ میدان محشر میں حاضر ہوں گی قرآن بڑے ہی حسین و پارسا چہرے میں جلوہ گر ہوگا چنانچہ جس وقت لوگوں کی نظریں اس عظیم صحرا میں اس کی حسین و جمیل اور پُر ہیبت شکل پر پڑے گی لوگ کہہ اٹھیں گے یہ یقیناً مومنین میں سے کوئی ہے جس کا نور ایمان اس کے چہرے سے آشکار ہے لیکن یہ ہم سب سے زیادہ کامل الایمان اور قرآن کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے میں ہم سب سے زیادہ جد و جہد کرنے والا مومن ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کو یہ مقام، یہ جمال و زیبائی اور یہ شکوہ و جلالت عطا کی گئی ہے اس کے بعد وہ چند صفوں سے گزر کر شہدائے راہ حق کی صف کے سامنے پہنچے گا : شہدائے راہ حق اس کو اس حسین چہرے اور روشن و درخشاں حلیے میں دیکھ کر کہیں گے یہ کوئی شہید معلوم ہوتا ہے لیکن شہدائے دریا[1] میں سے ہوگا جبھی یہ زیبائی اور چمک اس کے نصیب میں آئی ہے، اس کے بعد وہ اس منزل سے بھی عبور کرتے ہوئے شہدائے دریا کی صف میں پہنچے گا اور وہ لوگ اس کی خوبصورتی و دلکشی کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے اور کہیں گے، اسے ہونا تو شہدائے دریا میں سے ہی چاہئے لیکن اس کی خوبصورتی اور چہرے کی تابانی یہ کہتی ہے کہ اس نے مقام شہادت تک پہنچنے کے سلسلہ میں ہم سے زیادہ تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

قرآن وہاں سے آگے بڑھتا ہوا انبیاء کی صفوف میں قدم رکھے گا اور وہ بھی اس کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے وہ سمجھیں گے کہ یہ بھی کوئی نبی ہے لیکن ان سے زیادہ بلند مقام پر فائز ہے اور بالآخر وہ سب کے سب پیغمبر اسلامؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوں گے

---

[1] ۔ وہ شہداء جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے دریائی جنگ میں شہید ہوتے ہیں اسلامی احادیث کی روشنی میں ←

اور آنحضورؐ سے اس کے بارہ میں استفسار کریں گے حضرتؐ ان کو جواب دیں گے کیا آپ لوگ اس کو نہیں پہچانتے؟ یہ لوگوں پر خداوند عالم کی حجت ہے۔

اس وقت وہ وہاں سے بھی آگے بڑھ کر فرشتوں کی صف میں پہنچے گا وہ بھی اس کی خوبصورتی اور دلکشی و تابانی دیکھ کر تعجب کریں گے اور کہیں گے یہ بھی کوئی فرشتہ معلوم ہوتا لیکن خدا کے نزدیک ہم سے زیادہ مقام و منزلت کا حامل ہے اسی وجہ سے اس کو حسن و چمک عطا کی گئی ہے، قرآن ان تمام منزلوں سے گزرتا ہوا عرش الٰہی کے قریب جا کر عظمت حضرت حق کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے گا، اس وقت خداوند عالم اس کو آواز دے گا: اے روئے زمین پر میری حجت میرے سچے اور بولتے ہوئے کلام! اپنا سر سجدہ سے اٹھا لے شفاعت کر کیوں کہ تیری شفاعت قابل قبول ہے، وہ اپنا سر سجدے سے اٹھائے گا اور خداوند عالم اس سے سوال کرے گا، میرے بندوں کو اپنے سلسلہ میں کیسا پایا؟ وہ جواب میں عرض کرے گا: پروردگارا! ان میں سے ایک جماعت نے میری عظمت اور احترام کا پاس و لحاظ کیا اور جو احکام و وظائف میں نے بیان کئے تھے ان کی طرف متوجہ رہے لیکن ایک دوسری جماعت نے میری حیثیت کو لائق اعتنا قرار نہ دیا اور میرے مقابل منفی و مخالف محاذ قائم کر دیئے، پروردگار جواب میں فرمائے گا: اپنے مقام و عظمت اور عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج بہترین جزا ان کو دوں گا جنھوں نے تیری عزت و کرامت کا احترام کیا ہے اور تیرے بیان کردہ احکام و قوانین پر عمل پیرا رہے ہیں اور جن لوگوں نے تیرے احترام کو ملحوظ نہیں رکھا ہے اور جو کچھ تو نے بیان کیا اس پر عمل نہیں کیا ہے ان کو دردناک ترین عذاب کا مزہ چکھاؤں گا۔

اس وقت قرآن شفاعت کے لئے اٹھے گا اور جن لوگوں نے اپنی دنیوی زندگی میں اس کے ساتھ مثبت رابطہ قائم رکھا ہے اور قرآن کے عبادی، ثقافتی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی اصول و احکام کو اپنی زندگی کے لئے درس و نمونہ قرار دیا ہے، ان کو

← ہیں زیادہ اجر و فضیلت کے حامل ہوتے ہیں۔

شفاعت کر کے جنت میں پہنچا دے گا اور خداوند عالم ان سے متعلق قرآن سے خطاب فرمائے گا کہ ان لوگوں کو جو تیری سفارش پر جنت میں داخل ہوئے ہیں میں پانچ چیزیں عطا کرتا ہوں :

۱ ۔ ایسی جوانی دوں گا کہ بڑھاپا ان کی صورت بھی نہ دیکھ سکے گا ۔

۲ ۔ ایسی تندرستی دوں گا کہ بیماری ان کے قریب نہ پھٹک سکے گی ۔

۳ ۔ ایسی امیری دوں گا کہ فقیری کا جہاں گزر بھی نہ ہو سکے گا ۔

۴ ۔ ایسی خوشی دوں گا کہ غم واندوہ کو وہاں راہ نہ مل سکے گی اور

۵ ۔ ایسی "حیات جاوداں" عطا کر دوں گا کہ موت ان کے قریب پر نہ مار سکے گی ۔[۱]

(ب) حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

وَاعْلَمُوْا اَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِیْ لَا یَغُشُّ، وَالْهَادِیْ الَّذِیْ لَا یُضِلُّ، وَالْمُحَدِّثُ الَّذِیْ لَا یَکْذِبُ ۔ وَمَا جَالَسَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اَحَدٌ اِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِیَادَةٍ اَوْ نُقْصَانٍ بِزِیَادَةٍ فِیْ هُدًی اَوْ نُقْصَانٍ مِنْ عَمًی ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّهُ لَیْسَ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ مِنْ فَاقَةٍ وَلَا لِاَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ مِنْ غِنًی فَاسْتَشْفُوْهُ مِنْ اَدْوَائِکُمْ وَاسْتَعِیْنُوْا بِهٖ عَلٰی لَاْوَائِکُمْ فَاِنَّ فِیْهِ شِفَاءً مِنْ اَکْبَرِ الدَّاءِ وَهُوَ الْکُفْرُ وَالنِّفَاقُ وَالْغَیُّ وَالضَّلَالُ ۔ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ بِهٖ، وَتَوَجَّهُوْا اِلَیْهِ بِحُبِّهٖ، وَلَا تَسْئَلُوْا بِهٖ خَلْقَهٗ اِنَّهٗ مَا تَوَجَّهَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِهٖ ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ شَافِعٌ وَمُشَفَّعٌ وَقَائِلٌ وَمُصَدَّقٌ وَاَنَّهٗ مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْاٰنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شُفِّعَ فِیْهِ، وَمَنْ مَحَلَ بِهِ الْقُرْاٰنُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

[۱] اصول کافی ج ۲ ص ۵۹۶ ح ۱۸

صَدَقَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُنَادِي مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ كُلَّ حَارِثٍ مُبْتَلًى فِي حَرْثِهِ وَعَاقِبَةِ عَمَلِهِ غَيْرَ حَرَثَةِ الْقُرْآنِ، فَكُونُوا مِنْ حَرَثَتِهِ وَأَتْبَاعِهِ. وَاسْتَدِلُّوهُ عَلَى رَبِّكُمْ، وَاسْتَنْصِحُوهُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَاتَّهِمُوا عَلَيْهِ آرَاءَكُمْ وَاسْتَغْشُّوا فِيهِ أَهْوَاءَكُمْ "[1]

یاد رکھو! یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے اور سبق دینے والا ہے جو ہرگز خیانت سے کام نہیں لیتا، ایسی رہنمائی کرنے والا ہے جو گمراہ نہیں کرتا، ایسا بیان کرنے والا ہے جو جھوٹ نہیں بولتا، کوئی شخص ایسا نہیں جو قرآن کے ساتھ بیٹھا ہو اور اپنی عقل و فکر اور نظریات و عمل کا تعلق قرآن سے قائم کیا ہو اور جس وقت اس کے پاس سے اٹھا ہو یا زندگی کے امور میں مشغول ہوا ہو اس شخص کی ہدایت و آگہی میں اضافہ نہ ہوا ہو یا اس کی گمراہی اور اندھے پن میں کمی نہ پیدا ہوئی ہو۔

جان لو! قرآن کے بعد (یعنی اس کے معانی و مطالب پر غور و فکر اور عمل کے بعد) کسی (اور مکتب و نظریہ) کی ضرورت باقی نہیں رہتی (ان معنوں میں کہ انسان ثقافت، اخلاق، سماج، سیاست اور اقتصاد وغیرہ تمام میدانوں میں بالکل غنی ہو جاتا ہے) اور کسی کے لئے قرآن سے پہلے (یعنی اس سے آشنائی اور اس پر عمل سے پہلے) بے نیازی و تونگری میسر نہیں ہے (یعنی کوئی بھی اور مکتب و نظریہ انسانوں کو ثقافتی، اخلاقی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی میدانوں میں کامل طور پر غنی اور بے نیاز نہیں بنا سکتا)

بنابرایں! اپنے درد و تکلیف کا علاج (جسمانی بیماری ہو یا روحانی، مادی تکلیف ہو یا معنوی) قرآن سے (پوچھو اور) شفا حاصل کرو اپنی سختیوں اور

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ: ۱۷۵

پریشانیوں میں قرآن سے مدد مانگو کیونکہ عظیم ترین تکلیفوں اور بیماریوں یعنی کفر و نفاق اور گمراہی و بربادی کا علاج صرف اور صرف قرآن میں پایا جاتا ہے، ان پہلوؤں کے پیش نظر قرآن کے وسیلہ سے اپنی آرزو خدا سے طلب کرو قرآن سے محبت و انسیت دکھاتے ہوئے خدا کی جانب متوجہ ہو اور ہرگز اس کو بندگان خدا سے مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ کیوں کہ بندگان خدا کے لئے خدا کی جانب متوجہ ہونے کا کوئی بھی وسیلہ عظمت کے لحاظ سے قرآن کی مانند نہیں ہے۔

یاد رکھو! قرآن، قیامت کے دن ایسی شفاعت کرنے والا ہے کہ جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا کلام کرنے والا ہے جس کی باتیں تصدیق شدہ ہیں، قیامت کے دن جن لوگوں کی قرآن شفاعت کردے گا اس کے لئے قرآن کی شفاعت قبول کرلی جائے گی، اور اگر کسی کے خلاف قرآن نے زبان کھولی اور اس کی شکایت کی تو اس کی بھی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ قیامت کے دن آواز دینے والا آواز دے گا دیکھو! ہر طرح کی کھیتی کرنے والا آج اپنے لگائے ہوئے اعمال کے کھیت اور اس کے انجام (جھاڑ جھنکاڑ) میں مبتلا ہیں مگر یہ کہ جن لوگوں نے قرآن (کی کھیتی لگائی ہے (یعنی جن لوگوں نے قرآنی ہدایات کے تحت مزرعۂ عالم میں عمل کے بیج چھڑکے ہیں اور نیکیوں کے درخت اگانے کے لئے عمل کے باغ لگائے ہیں) پس تم کو چاہئے کہ قرآن کی کھیتی اور اس کے اطاعت کرنے والے بنو اور اس قرآن کو خدا تک پہنچنے کے لئے وسیلہ قرار دو اس سے پند و نصیحت حاصل کرو اور قرآنی رخ کے خلاف جو خیالات و افکار، قلب و دماغ میں پیدا ہوں ان کو غلط اور فریب خوردہ قرار دے دو اور جو خواہشات قرآن کے خلاف یا اس کے مقابلہ میں سر ابھاریں اس کو خیانت پر مبنی سمجھ لو۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شفاعت

منجملہ ان لوگوں کے جو میدان قیامت میں اپنی شفاعت کے ذریعہ اپنے بہت سے چاہنے

اور پیروی کرنے والوں کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب اور تباہی سے نجات دلائیں گے ائمۂ اطہار علیہم السلام بھی ہیں بلکہ جیسا کہ روایات سے پتہ چلتا ہے تو وہ معصومین علیہم السلام کی شفاعت صرف روز قیامت سے ہی مخصوص نہیں ہے قیامت سے پہلے اور قیامت کے بعد بھی ایسی منزلیں ملتی ہیں جہاں مختلف مرحلوں میں (جن کی تفصیل آئندہ آئے گی) ائمہ علیہم السلام بہت سے لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں۔

کفایۃ الموحدین، فارسی کی ایک نہایت ہی بیش قیمت کتاب ہے، جس میں اسلامی عقائد کا مکمل دورہ تین جلدوں میں دلیل و برہان کے ساتھ قلمبند کر دیا گیا ہے پہلی جلد میں توحید و عدل و نبوت پر بحثیں ہیں دوسری جلد امامت اور تیسری جلد معاد کی بحثوں پر مشتمل ہے ۶ اس کتاب کی تیسری جلد میں، صاحب کفایۃ الموحدین کہتے ہیں کہ:

"شفاعت کی وہ وسعت اور عظمت و مقام جو پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ اور ان کے اہلبیتؑ کو حاصل ہے دوسرے نبیوں اور ملائکہ میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔ پیغمبروں اور فرشتوں کی شفاعت صرف قیامت کے دن مخصوص امتوں یا فی الجملہ بعد کے گناہ گاروں تک محدود ہے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کی شفاعت کئی مقامات پر ملتی ہے۔

الف: موت کے وقت۔ ان روایات کی بنیاد پر جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ائمہ علیہم السلام لوگوں کے حالت احتضار میں ان کے سرہانے تشریف لاتے ہیں اور کبھی کبھی اسی دم نکلنے کے ہنگام عذاب الٰہی میں گرفتار بعض افراد کی شفاعت کرتے ہیں جن کے نتیجہ میں وہ افراد عذاب اور غضب الٰہی سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور رحمت پروردگار ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔

ب۔ قبر کی تاریکی میں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض افراد قبر میں داخلے کے وقت عذاب خداوندی کے مستحق ہوتے ہیں لیکن ابھی ان سے شفاعت کی صلاحیت سلب نہیں ہوئی ہوتی اس قسم کے افراد بھی قبر میں اہلبیت علیہم السلام کی شفاعت حاصل کرتے اور عذاب و تباہی کے گڑھے سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔

ج۔ عالم برزخ میں: بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی سیاہ کاریوں

اور نامۂ اعمال کے بوجھ تلے عالم برزخ میں بھی عذاب الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن اہلبیت علیہم السلام کی شفاعت کے تحت حضرت حق کی عنایتیں ان کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور عذاب خداوندی سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں۔

د۔ **قیامت کے دن**: حضرت پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کی شفاعت کا وسیع ترین میدان روز قیامت کا میدان ہے جہاں پچاس منزلیں ہیں لیکن ان تمام منزلوں میں لائق شفاعت گناہگاروں کی یہ لوگ شفاعت کرتے ہیں اور وہ عذاب خداوندی سے نجات پاتے ہیں۔

ہ۔ **آگ میں داخل ہونے کے بعد**: بہت سے افراد جو گزشتہ مراحل میں شفاعت کا استحقاق نہیں رکھتے ہوں گے اور اپنے اعمال کی خرابیوں کی وجہ سے جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے جہنم میں کچھ دن توقف کے بعد آنحضرتؐ اور ان کے پاکیزہ اہلبیتؑ کی شفاعت کے تحت رحمت پروردگار میں شامل ہو جاتے ہیں اور عذاب خداوندی سے نجات پیدا کر لیتے ہیں، البتہ محمد و آل محمد علیہم السلام کی شفاعت کے مستحق ہونے کے سلسلہ میں یہ فرق و مراتب انسان کے ان اعمال سے ہی تعلق رکھتے ہیں جو اس نے اپنی دنیوی زندگی میں انجام دیئے ہیں[1]۔

اہلبیت علیہم السلام کی شفاعت پر دلالت کرنے والی روایتیں بہت زیادہ ہیں ہم نمونہ کے طور پر یہاں صرف تین روایتوں پر اکتفا کر رہے ہیں۔

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے دن خداوند عالم آغاز خلقت سے لے کر انجام تک وجود میں آنے والے تمام انسانوں کو ایک ایسے بیابان میں جس کو شدید طور پر ظلمت و تاریکی نے اپنے حلقہ میں لے رکھا ہوگا، جمع کرے گا اس وقت تمام لوگ بارگاہ ربوبیت میں گریہ و زاری کر رہے ہوں گے کہ پروردگارا! ہم کو اس تاریکی سے نجات عطا کرنے والا وسیلہ فراہم کر دے، اتنے میں ایک گروہ جن کے

---

[1] کفایۃ الموحدین جلد ۳ صفحہ ۳۴۵

چہروں سے نور برس رہا ہوگا میدان محشر میں وارد ہوگا ان کے چہرے اتنے زیادہ درخشاں اور منوّر ہوں گے کہ پورا میدان قیامت جگمگا اٹھے گا۔

اہل محشر کو گمان ہوگا کہ یہ لوگ پیغمبرانِ خدا ہیں لیکن خدا کی جانب سے ندا آئے گی یہ لوگ نبی نہیں ہیں اس وقت لوگ خیال کریں گے کہ یہ سب خدا کے فرشتے ہیں لیکن خدا آواز دے گا یہ سب فرشتے بھی نہیں ہیں اس وقت لوگ سوچیں گے یہ سب شہدائے راہ خدا ہیں آواز آئے گی نہیں ایسا بھی نہیں ہے (یعنی انھیں یہ مقام و درجہ شہادت کی بنا پر حاصل نہیں ہوا ہے) اس وقت لوگ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے پروردگارا یہ کون لوگ ہیں؟ خدا کی جانب سے کہا جائے گا خود ان ہی حضرات سے سوال کرو، لوگ ان سے دریافت کریں گے: آپ لوگ کون ہیں جنھیں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا یہ جاہ و جلال حاصل ہے؟ وہ جواب میں فرمائیں گے: ہم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت علی ابن ابی طالبؑ کی اولاد اور خدا کی مخصوص کرامت ہیں ہم آج مامون و مطمئن ہیں۔ اس وقت خداوند عالم ان سے فرمائے گا اب تم اپنی ولایت کے حامل سچے شیعوں کی شفاعت کرو وہ لوگ شفاعت کرنا شروع کر دیں گے اور خداوند عالم ان کی شفاعت کو قبول کرے گا۔[1]

۲۔ اسلامی احادیث کے مشہور راویوں میں سے ایک شخص معاویہ بن وہب جو کمال وثوق کے حامل ہیں کہتے ہیں: میں نے خداوند عالم کے ارشاد "لایتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن وقال صواباً"[2] (یعنی قیامت کے دن لوگوں کے علاوہ کہ جنھیں خدائے مہربان کی جانب سے گفتگو کی اجازت حاصل ہے اور صحیح و درست باتیں کرتے ہیں کسی کو بولنے کا یارا نہ ہوگا) کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے حضرتؑ نے جواب میں فرمایا: خدا کی قسم! وہ لوگ جنھیں اس طرح کی اجازت دی گئی ہے ہم ہیں اور ہم ہی صحیح و درست گفتگو کرنے والے ہیں، اس وقت معاویہ ابن وہب نے پوچھا:

---

[1] بحار الانوار جلد ۸ صفحہ ۳۶ حدیث ۱۰

[2] سورہ نباء/ ۳۸

میں آپ پر قربان ہو جاؤں اس دن آپ کی گفتگو کس سلسلہ میں ہو گی اور کیا ہو گی"؟ حضرتؑ نے فرمایا: ہم خداوند عالم کی مجد و عظمت بیان کریں گے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجیں گے اور اپنے شیعوں کی شفاعت کریں گے اور خداوند عالم ہماری شفاعت قبول بھی کرے گا۔[1]

۳۔ عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں: میں نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے سنا ہے آپؑ نے فرمایا: پیغمبر اسلامؐ ایک دن صدیقہ طاہرہ (جناب فاطمہ زہرا) سلام اللہ علیہا کے گھر میں اس وقت پہنچ گئے جب آپ غمگین و ملول نظر آرہی تھیں حضرتؐ نے اپنی بیٹی کو جو اس عالم میں دیکھا تو بڑے ہی مشفقانہ انداز میں اس غم و اندوہ کی وجہ پوچھی: حضرت زہراؑ نے کہا: مجھے قیامت کے دن کا وہ منظر یاد آگیا جب لوگ بارگاہ خداوند جلال میں کھڑے ہوں گے، پیغمبر خداؐ نے فرمایا: بیٹی وہ دن یقیناً بڑا ہی عظیم دن ہے لیکن جبرئیل نے خدا کی جانب سے مجھے خبر دی ہے کہ سب سے پہلا شخص جو زمین سے بلند ہو گا اور بارگاہ رب العزت میں شرفیاب ہو گا وہ میں ہوں گا اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ حضور یا بی حاصل کریں گے اور پھر تیرے شوہر علی ابن طالبؑ ساحت اقدس الٰہی میں حاضری دیں گے، اس کے بعد خداوند عالم جبرئیل کو ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہارے پاس روانہ کرے گا اسرافیل بھی تمہارے لئے تین نورانی حلے لائیں گے اور تم سے کہیں گے: اے فاطمہؑ اے دختر رسولؐ: اٹھئے اور میدان محشر میں تشریف لے چلئے، اس وقت تمہارا قلب مطمئن اور روح شاد ہو جائے گی اور تم نور کی سواری پر سوار ہو کر اس طرح میدان محشر میں پہنچو گی کہ ستر ہزار فرشتے تمہاری پیشوائی کر رہے ہوں گے تمہاری مادر گرامی خدیجہ بھی ہوں جو پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے والی عورتوں میں سب سے پہلی خاتون ہیں اور ستر ہزار فرشتے جن کی پیشوائی کر رہے ہوں گے تمہارے استقبال کو آگے بڑھیں گی، چنانچہ جب تم اس عظمت و حشمت کے ساتھ میدان محشر میں وارد ہو گی خدا کی جانب سے لوگوں کے کانوں میں آواز آئے گی اور وہ اہل محشر سے تمہارا تعارف کرائے گا۔

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۸ ص ۴۱ حدیث ۲۸

اس کے بعد تم نور کے منبروں میں سے ایک منبر پر اس طرح متمکن ہوگی کہ جبرئیل امینؑ تم سے کہہ رہے ہوں گے: خداوند عالم سے اپنی حاجت طلب کرو" اور تم بارگاہ خداوندی میں عرض کرو گی: بارالٰہا! تو خوب جانتا ہے میرے بچوں حسنؑ اور حسینؑ نے شہادت کا علم بلند کیا ہے اور عالم بشریت کو تیری راہ میں جہاد و قتال کا سلیقہ سکھایا ہے انھوں نے ظلم و ستم نیز ستمگروں اور جبّاروں سے مقابلہ آرائی اور انسانوں کی خیر و سعادت کی طرف راہنمائی کے لئے کیا کیا مصیبتیں نہیں اٹھائی ہیں اور کیا کیا مشقتیں نہیں اٹھائی ہیں؟ جو لوگ انسانوں کی فلاح و بہبودی اور کمال و ارتقا کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے انھوں نے ان کے سامنے کیا کیا مشکلیں کھڑی نہیں کی ہیں؟!

خداوند عالم آواز دے گا: اے فاطمہ! اب تم بہشت کی طرف بڑھو اور وہ تمام لوگ جنھوں نے تمھارے فرزندوں کی راہ پر قدم بڑھائے ہیں اور دنیا میں ان کی روش اور طریقہ اپنایا ہے انھیں اپنی شفاعت کے ذریعہ بہشت میں داخل کرو اس طرح تمھاری راہ پر چلنے والوں کے لئے قیامت کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور تمھاری شفاعت و سفارش سے وہ سب بہشت میں داخل کر دیئے جائیں گے[۱]

اسلام کے سچے علماء کی شفاعت

اہلبیت علیہم السلام کی احادیث کی بنیاد پر قیامت کے دن شفاعت کرنے والوں میں ایک اور گروہ "اسلام کے سچے علماء" کا ہوگا وہ علماء کہ جنھوں نے علمی مدارج کی تکمیل، اخلاق کی تہذیب و تربیت اور خود اپنے نفس کے تزکیہ کے بعد کسی روشن چراغ کی مانند حیات کی راہوں میں لوگوں کی قیادت کی ہے، قافلۂ انسانیت کو کمال و سعادت کی راہ دکھائی ہے، نیز اپنے کردار اور قلم و بیان کے ذریعہ دینی، ثقافتی، اقتصادی، اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی میدانوں

---

[۱] بحار الانوار ج ۸ ص ۵۵ حدیث ۶۲

ہیں ان کی ہدایت و رہبری کرتے رہتے ہیں۔

وہ علماء جو مکتب اہلبیت علیہم السلام کے پروردہ ہیں اور ان کے ہی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کی تعلیم و تربیت اور موعظت و نصیحت کے فرائض انجام دیتے ہیں اسلامی آثار و افکار کی نشر و اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ روایات میں ان کے لئے "علماء شیعتنا" (ہمارے شیعہ علماء) یا "فقہائنا" (ہمارے فقیہ) یا "فقہاء شیعتنا" (ہمارے شیعہ فقہا) کی تعبیریں استعمال ہوئی ہیں۔

اس سلسلہ میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں، قیامت کے دن عبادت کرنے والوں سے کہا جائے گا تم اچھے انسان تھے لیکن تمہاری کوشش اور تمہارا مقصد یہی تھا کہ عبادت کرکے اپنی نجات کا وسیلہ فراہم کرلو اور آج تمہاری خواہش پوری ہوگئی اب بہشت میں داخل ہوجاؤ لیکن ان فقہاء سے کہ جنھوں نے خیر و صلاح کی راہیں لوگوں کے سامنے باز کی ہیں اور ان کو ان کی تباہی و بربادی اور ضعف و ناتوانی کے لئے طرح طرح کی سازشیں رچنے والے دشمنوں سے نجات دلا کر بہشت و سعادت کی راہوں سے ہمکنار کیا ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کا طریقہ سکھایا ہے، کہا جائے گا: اے آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے یتیموں کی کفالت کرنے والو! اور ان کو اسلامی ثقافت و اقتصاد اور اخلاق و سیاست کی راہ پر گامزن کرنے والو! اب صحرائے محشر میں کھڑے ہو جاؤ تاکہ وہ لوگ جنھوں نے تمہاری رہنمائی کے نور سے فائدہ اٹھایا ہے اور تمہارے تعلیم کردہ علوم و معارف کو دل میں جگہ دی ہے بلکہ وہ لوگ بھی جنھوں نے تمہارے شاگردوں سے اور شاگردوں کے شاگردوں سے تا قیامت سلسلہ در سلسلہ فیض علم و آگہی حاصل کیا ہے ان سب کو بہشت بریں کی طرف لے جاؤ اور ان سب کو جنت الفردوس میں داخل کر دو۔

اس کے بعد حضرت نے مزید فرمایا: اب تم دیکھو کہ ایک عابد اور ایک عالم کی منزلتوں میں کتنا زیادہ فرق پایا جاتا ہے[1]

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۲ (طبع جدید) ص ۶

حضرت امام علی نقی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے دن ہمارے شیعہ علماء کہ جنھوں نے دنیا میں ہماری ولایت کے قائل ناتوانوں کی رہنمائی و رہبری اور زندگی کے مختلف گوشوں میں ان کی سرپرستی کی ہے میدان محشر میں اس طرح آئیں گے کہ ان کے سروں پر رکھے جانے والے تاج کرامت سے انوار الٰہی درخشاں ہوں گے اور ہمارے شیعوں میں سے جس یتیم کی بھی انھوں نے کفالت و سرپرستی کی ہے (چونکہ امام عصر علیہ السلام کی غیبت کے زمانہ میں شیعیان آل محمدؐ اپنے امام وقت سے کہ جو ان کا باپ اور مربی نیز اسلامی معاشرہ کا ناظم و حاکم ہے دور ہو گئے ہیں لہٰذا ان کو لفظ یتیم سے تعبیر کیا گیا ہے) اور ان یتیموں کو جہل و نادانی کی تاریکی سے نجات دلائی ہے اور انھیں حیرت و سرگردانی کی قید سے آزادی بخشی ہے، ان سب کو خود اپنے انوار کے پرتو میں میدان حشر کی ظلمت سے رہائی دلا کر اپنے ساتھ بہشت میں لے جاتے ہیں[1]

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک دن ایک عورت صدیقہ طاہرہؑ کی بزم اقدس میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: میری ماں بہت ہی ضعیف ہے اور اس نے مجھ کو آپ کی خدمت میں نماز سے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے اس کے بعد اس نے اپنا مسئلہ بیان کیا اور آپ نے اس کو مسئلہ سمجھا دیا وہ عورت واپس چلی گئی تھوڑی دیر بعد پھر پلٹ کر آئی اور ایک دوسرا مسئلہ دریافت کیا آپ نے جواب مرحمت فرمایا وہ واپس گئی اور دوبارہ آئی اسی طرح دس مرتبہ آمد و رفت جاری رہی وہ ہر مرتبہ ایک سوال لے کر آتی اور جواب لے کر چلی جاتی دسویں مرتبہ جب اس نے اس مسلسل آمد و رفت کے سلسلہ میں شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے بنی زادی! میں نے بار بار کی آمد و رفت کے ذریعہ آپ کو زحمت و مشقت میں مبتلا کیا ہے، یہ مزاحمت مجھ پر بہت شاق ہے لہٰذا معافی چاہتی ہوں،

حضرت معصومہ عالمؑ نے ایک مثال بیان کر کے اس عورت کو مسئلہ کی نوعیت سمجھائی آپ نے فرمایا: آیا اگر کسی شخص کو ایک بوجھ زمین سے اٹھا کر ایک معمولی بلندی تک پہنچانے کے لئے بہت بھاری اور قیمتی اجرت عطا کی جائے تو کیا اس شخص کے لئے کہ جو اس وزن کو اٹھا رہا ہے زحمت و مشقت پیش آئے گی؟ عورت نے جواب دیا: "جی نہیں" اس وقت آپ نے فرمایا: مجھ کو

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۲ (طبع جدید) ص ۶

ہر سوال کا جواب دینے کے سلسلہ میں اس قدر لؤ لؤ (موتی کے دانے) ملے ہیں کہ زمین سے لے کر آسمان تک ان سے پُر ہو جائیں لہٰذا تمہارے سوالوں کا جواب دینا میرے لئے کسی سختی اور زحمت کا سبب نہیں بنا ہے اس کے بعد آپؑ نے اضافہ کیا: قیامت کے دن ہمارے شیعہ علماء کو عزت و کرامت کی خلعتیں ان کے معلومات، دین کے بارے میں سنجیدگی اور ان کوششوں کی بنیاد پر دی جائیں گی جو انھوں نے بندگان خدا کی رہبری کے سلسلہ میں کی ہیں اور اس مسئلہ میں ان کے درمیان بہت زیادہ فرق نظر آئے گا جس قدر ان کے معلومات میں زیادتی سنجیدگی اور تبلیغ و ہدایت کی راہ میں کی جانے والی کوششیں وسیع ہوں گی کرامت کی خلعتیں بھی زیادہ ملیں گی حتی بعض وقت ان میں سے ایک شخص کو انعام کے طور پر ہزار ہزار نورانی حلّے اور خلعتیں دی جائیں گی اور خدا کی جانب سے ندا کرنے والا آواز دے گا اے وہ لوگو! کہ جو دنیا میں یتیمان آل محمدؐ کی کفالت و سرپرستی کرتے رہے ہو اور ان کو اس وقت کہ جب ان کے ہاتھ اپنے باپ یعنی اپنے اماموں تک رسائی سے قاصر ہو گئے تھے رہنمائی کر کے نجات تک پہنچایا ہے، اس وقت بھی یہ سب تمہارے شاگرد ہیں یہ وہی یتیم ہیں جن کی تم نے کفالت و تربیت کی تھی اور ان کو خیر و بھلائی کی راہ پر لگایا تھا لہٰذا یہ شرف و کرامت کی خلعتیں جو خدا نے تم کو عطا کی ہیں ان کو بھی عطا کرو اس وقت جن لوگوں نے ان سے جس قدر فیض اٹھایا ہے اسی مناسبت کے تحت ان لوگوں کو خلعتیں بخشیں گے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں نجات دلائیں گے چنانچہ یہ صورت سلسلہ وار حتی کہ وہ لوگ بھی کہ جنھوں نے ان سے درمیانی واسطوں کے ذریعہ علوم و معارف حاصل کئے ہیں، ان کے ذریعہ نجات حاصل کریں گے [1]

---

[1] ۔ بحار الانوار ج ۲ (طبع جدید) ص ۳

افعالِ الٰہی کے مدارج

جناب محمد تقی مصباح یزدی
ترجمہ: جناب سید ولی الحسن رضوی

انسان کے ارادی و اختیاری افعال کا سرچشمہ اس کے کچھ مقدماتی امور ہوتے ہیں اور اس کے کام کچھ ابتدائی مرحلوں سے گزرنے کے بعد خارجی وجود حاصل کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ خدا کے افعال کے لئے بھی کیا کچھ مدارج فرض کئے جاسکتے ہیں کہ کچھ مخصوص مقدمات اور ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد وہ عینی یا خارجی وجود پیدا کرتے ہوں ؟

چونکہ خدا کا فعل، اپنے مصدری معنیٰ میں یعنی پروردگار عالم سے فعل سرزد ہونے کی حیثیت سے تدریجی مراحل اور زمانی قید و بند سے آزاد ہے، خدا کے کام کے لئے زمانی مدارج کا تصور ممکن نہیں ہے لیکن حاصل مصدر کے اعتبار سے چونکہ نتیجۂ فعل ممکن ہے زمانی "ہو" یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس جہت سے آیا یہ مفروضہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ: فعل خدا یعنی مخلوق خدا، مصنوعِ خدا، یعنی فعل کا متعلق معنائے مصدری میں، مدارج و مراحل کا حامل ہوتا ہے یا نہیں ؟

یقیناً، مادی موجودات خود اپنی جگہ مدارج و مراحل کے حامل ہوتے ہیں ان کے یہاں تبدیلیاں اور حرکتیں وجود میں آتی ہیں تاکہ وہ درجۂ کمال تک رسائی حاصل کریں، لیکن یہاں مقصود خود ان کے وجود میں رونما ہونے والی تبدیلیاں نہیں ہیں بلکہ آیا خارجی وجود حاصل کرنے والی چیزوں میں مخلوق خدا ہونے اور اس کی جانب منسوب ہونے کی حیثیت سے کہ خدا نے ان کو پیدا

کیا ہے، اس تخلیق و ایجاد میں ایسے مدارج و مراحل جن کی خدا کی طرف نسبت دی جا سکے فرض کئے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟

فعل الٰہی کے سلسلہ میں کلی طور پر ہم نے عرض کیا ہے کہ : جو چیزیں زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں خدا کی جانب ان کی نسبت و اضافت کے دو رخ ہیں : ایک رخ تو یہ ہے کہ وہ اس خدا سے نسبت رکھتی ہیں جو مجرّد اور زمان و مکان سے مافوق ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ ان کا ان خارجی اشیاء سے تعلق ہے جو زمان و مکان کے اندر تغیّرات کا شکار ہوتی ہیں چنانچہ اس رخ سے افعال الٰہی چونکہ خارجی اشیاء سے نسبت رکھتے ہیں زمانہ کے ساتھ بھی متصف ہو سکتے ہیں حتیٰ وہ صفات جو ان افعال سے مترشح ہوتے ہیں اپنی نسبت کے لحاظ سے ایک معنیٰ میں زمان و مکان سے متصف ہو سکتے ہیں مثلاً اللہ کی صفت خالقیت اس رخ سے کہ خلقت (چاہے فعل کی صورت میں بیان ہو یا صفت کی صورت میں) ایک زمانہ سے وابستہ مخلوق سے نسبت رکھتی ہے لہٰذا ممکن ہے کہ اس کے لئے زمانہ کا ایک محدود دائرہ فرض کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ خدا نے فلاں زمانہ میں فلاں شئے پیدا کی نہ اس سے قبل نہ اس کے بعد اور یہ زمانہ کی زمانی مخلوق سے پائی جانے والی محض یک طرفہ نسبت کی بنا پر ہے ؛ ہاں ! اب سوال یہ ہے کہ آیا اس فعل کے لئے جسے خدا کی جانب نسبت حاصل ہے مدارج و مراحل فرض کئے جا سکتے ہیں یا یہ کہ فعل الٰہی کے بارہ میں اس کے خارجی وجود سے پہلے خدا کے ساتھ رابطہ کا کوئی اور مرحلہ اور درجہ فرض کرنے کی گنجائش نہیں ہے ؟

مثلاً جب ہم کوئی کام انجام دینا چاہتے ہیں پہلے اس کام کا تصور پیدا ہوتا ہے پھر اس کے فائدہ کا تصور پھر اس کے فائدہ کی تصدیق کہ یہ سب علم کے مختلف مرحلے ہیں جو ہمارے نفس کے اندر پیدا ہوتے ہیں، آیا کہا جا سکتا ہے کہ فعل الٰہی کے لئے بھی اسی انداز سے اشیاء کے علم کا مرحلہ پایا جاتا ہے ؟ اسی طرح جب ہم تصور و تصدیق کے علمی مرحلہ سے گزرتے ہیں تو ہمارے اندر اس کی جانب میل و رغبت پیدا ہوتی ہے جس کو ہم منشاء یا خواہش سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کام انجام دینے کی لگن یا دلچسپی (اور جب فعل سے بہت قریب ہو جاتے ہیں تو اسی کو ارادہ کہتے ہیں) آیا خدا کے افعال کے سلسلہ میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا پہلا درجہ

علم اور دوسرا درجہ خواہش اور ارادہ ہے ؟

اسی طرح جب ہم کوئی کام انجام دینا چاہتے ہیں تو ذہن میں حساب کتاب کرتے ہیں کہ کب اور کہاں اور کس طرح یہ کام انجام پائے گا اپنی قدرت و صلاحیت کا اندازہ لگاتے ہیں کہ ہم یہ کام کر سکیں گے یا نہیں ؟ آیا خدا کے افعال کے سلسلہ میں کیا اس طرح کا کوئی مرحلہ قابل تصور ہے یا نہیں ؟

یا اسی طرح کے دوسرے مراتب و مراحل معمولی سطح کے ہوں یا اس سے بلند سطح کے بہر حال اللہ کے افعال کے سلسلہ میں اس طرح کے مسائل اٹھائے جانے کی گنجائش ہے یا نہیں ؟۔

اگر ہم خدا کی ذات میں یکے بعد دیگرے اس طرح کے تغیرات و کیفیات کہ جو ایک فعل کی انجام دہی کے سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں تصور کریں تو غلط ہے کیوں کہ اس بات کی عقلی براہین بھی تکذیب کرتے ہیں اور نقلی دلائل بھی نفی کرتے ہیں۔ خداوند قدوس کا وجود مادّی وجود نہیں ہے کہ اس پر طرح طرح کے حالات و تغیرات عارض ہوں "لم یسبق لہ حال حالاً" اور فلسفہ کی زبان میں وہ حوادث و حالات کا شکار نہیں ہوتا۔

پس اگر افعال خدا کے سلسلہ میں کچھ مرحلے اور درجے تصور کئے جاتے ہیں تو یہ مراحل و مدارج محض ہماری عقل نظر کا نتیجہ ہیں ورنہ زمانہ کے اعتبار سے ان میں کوئی تقدم و تاخر نہیں پایا جاتا۔ خود عقل چند مسائل اٹھاتی ہے جن میں ممکن ہے بعض باتیں بعض دوسری باتوں پر عقلی مدارج کے اعتبار سے مقدم ہوں، برہانی نقطۂ نظر سے الٰہی افعال کے لئے اس طرح کے مراتب و مدارج کے فرض کئے جانے میں کہ جن میں مفاہیم کے اعتبار سے فرق ہو اور یہ مدارج بھی عقلی ہوں زمانی نہ ہوں، کوئی حرج نہیں ہے، جس طرح عقل کے نزدیک واجب الوجود ذات میں متعدد صفات ثابت ہیں باوجود اس کے کہ تمام کے تمام صفات کی مصداق ایک واحد بسیط ذات ہے اس کے سوا کوئی اور مصداق نہیں ہے، یعنی علم، قدرت اور حیات وغیرہ یہ تمام وہ صفات ہیں جو عقل کے نزدیک ذات واجب میں ثابت ہیں اور وہ برہان بھی قائم کرتی ہے کہ متعدد صفات کے پائے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ذات

واجب کئی چیزوں سے مرکب ہے اور اس میں کوئی اشکال و اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا ہمارے یہاں ان صفات کے مصادیق میں باہم فرق ہوتا ہے لیکن عقل دونوں مفاہیم ذات واجب میں ثابت کرتی ہے۔

اس بات کے پیش نظر کہ ان تمام مفاہیم کا مصداق خارج میں صرف ایک ہی ذات ہے عقل الٰہی افعال کے بارے میں بھی مختلف مفاہیم کا اثبات کرتی ہے حتیٰ اگر ان مفاہیم کے درمیان مدارج کا تعین کرتی ہے تو یہ درجہ بندی بھی مفاہیم کے درمیان آپسی روابط کے اعتبار سے ہے متعدد مصادیق کے روابط کی بنیاد پر نہیں ہے۔

یعنی ہم کہہ سکتے ہیں خدا بھی جس وقت کوئی کام کرنا چاہتا ہے جانتا ہے کہ وہ کیا کام کرنا چاہتا ہے علم کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دیتا خواہش و ارادہ کے بغیر جبر و اکراہ کے تحت کام انجام نہیں دیتا خدا اپنے کاموں کے کرنے میں مجبور نہیں ہے، اچھا جب ہم نے ان دو مفاہیم کی خدا کی جانب نسبت دی تو ان میں کون مقدم اور کون مؤخر ہے؟ ظاہر ہے جاننا چاہنے پر مقدم ہے کیونکہ جس چیز کا علم ہی نہ ہو اس کے چاہنے یا نہ چاہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پس پہلے جاننا ضروری ہے اس کے بعد چاہنے کی منزل ہے لیکن یہ تقدم و تاخر خدا کے یہاں زمانی اعتبار سے نہیں بلکہ یہ جاننے اور چاہنے کا مفہومی تقاضا ہے کہ درجہ کے لحاظ سے ایک کو دوسرے پر مقدم قرار دیا جائے اور اس لحاظ سے افعال الٰہی کے مقدمات و مراحل کے درمیان درجہ بندی میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لیکن قرآن کیا کہتا ہے؟

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے اس بارے میں کیا وضاحت کی ہے؟ آیا اس طرح کی چیز قرآن کریم سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ قرآن خاموش نظر آتا ہے!

جب ہم قرآن مجید کا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ ایسی آیتیں موجود ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ جب خداوند عالم کوئی کام انجام دینا چاہتا ہے اور کوئی کام خارج میں اس کے ذریعہ

(بالواسطہ یا بلاواسطہ ظہور میں آتا ہے خدا اس کی طرف سے غافل و بے توجہ نہیں ہوتا وہ کام اس کے علم کے تحت وجود میں آتا ہے :

الا یعلم من خلق ...،، (ملک/۱۴)

آیا جو شخص کسی چیز کو خلق کرتا ہے نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز خلق کر رہا ہے ؟ !

وہ خدا جس نے یہ عظیم و کثیر و ناقابل شمار مخلوقات پیدا کی ہیں اور اس کی حکمت کے آثار ان میں ہر ایک سے ظاہر ہیں کیا نہیں جانتا کہ اس نے کس چیز کو وجود عطا کیا ہے ؟ یہاں استفہام انکاری ہے یعنی قرآن خدا کی لاعلمی کی نفی کرنا چاہتا ہے کیوں ؟ اس لئے کہ خدا سب کچھ جانتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ خدا جو کچھ پیدا کرتا ہے جانتا ہے کہ کیا پیدا کر رہا ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ ۔

خدا کے جاننے کی نوعیت کیا ہے ؟

آیا پہلے تصور کرتا ہے اور پھر تصدیق کی منزل آتی ہے ؟ یعنی کیا ہماری ہی طرح کی صورت ہے یا کوئی اور صورت ہے ؟ یقیناً خود آیت سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن خدا کے بارے میں کچھ محکمات و مسلّمات موجود ہیں مثلاً سورۂ شوریٰ میں ہے :

لیس کمثلہ شیٔ (آیت/۱۱) "اس کی مانند کوئی بھی شئے نہیں ہے"

جس سے پتہ چلتا ہے خدا کے یہاں مخلوقات کے صفات نہیں پائے جاتے وہ مادّی و امکانی صفات سے مبرا ہے خدا کے یہاں نہ تحصیلی علم ہے نہ ذہنی و فکری ، اس کے یہاں تصور کا مرحلہ ہے نہ تصدیق کا ، یہ تمام چیزیں مخلوقات سے تعلّق رکھتی ہیں خدا کا جاننا اس کی ذات سے الگ کوئی شئے نہیں ہے ذات کی ہی منزل میں خود اس کی ذات عین علم ہے ؛

اس سوال کے جواب میں کہ "آیا علم الٰہی صرف علم ذاتی کے ہی معنی میں ہے کہ جو عین ذات ہے علم کی کوئی اور نوعیت بھی خدا کے یہاں ثابت ہے ؟" ایسی آیتیں سامنے آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کے یہاں علم زمانہ کے تحت پیدا ہوا ہے یا زمانہ کے تحت پیدا ہوتا ہے ، جو اشخاص اسلامی معارف سے آشنا نہ ہوں ، اس طرح کی آیات کے

مطالب کو جن میں ایک طرح کا تشابہ پایا جاتا ہے، نقص و امکان کے ساتھ ملا جلا دیتے ہیں چنانچہ قرآن کہتا ہے:

"فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ" (آل عمران/۷)

پس جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں وہ ان ہی آیتوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں"

چنانچہ قرآن کے فقرے "جاء ربک"[1] اور "ثم استوی علی العرش"[2] سے بھی پہلی نظر میں ممکن ہے کسی ایسے شخص کے ذہن میں کہ جو اسلامی معارف سے بے خبر ہو، اسی طرح کا مفہوم پیدا ہو۔

لیکن جب ہم کو معلوم ہو گیا کہ خداوند متعال مخلوقات کی طرح کا نہیں ہے کہ وہ ایک وقت میں کسی شئے کا علم رکھتا ہو اور ایک وقت میں نہ رکھتا ہو تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کا پھر کیا مطلب ہے جہاں ارشاد ہوا ہے کہ ایک خاص زمانہ میں خدا نے فلاں بات جانا یا جانتا ہے؟ مثلاً چند آیتیں جن سے ایک خاص موقع اور زمانہ میں خدا کے علم کا اثبات ہوتا ہے ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ سورۂ انفال میں ارشاد ہوتا ہے:

"الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا" (آیت/۶۶)

اب خدا نے تمھارے لئے (اپنے حکم کی سختی میں) نرمی پیدا کر دی اور جان لیا کہ یقیناً تمھارے اندر کمزوری ہے"۔

اس سے قبل فرمایا جا چکا ہے:

"... ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین"... "

اگر تم میں بیس افراد بھی راہ خدا میں ثابت قدم رہنے والے صابروں میں سے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے"

---

[1] سورہ فجر/۲۲ [اور تمھارے پروردگار (کا حکم) اور ملائکہ صف در صف آجائیں گے]

[2] اعراف/۵۴، یونس/۳، رعد/۲، فرقان/۵۹، سجدہ/۴، حدید/۴ [اور پھر عرش (ربانی) پر آمادہ ہوا]

اس کے بعد کہا ہے "الآن"... یعنی اب خدا نے جان لیا ہے کہ تمھارے درمیان کمزوری اور ضعف موجود ہے اور تمھارے لئے نرمی پیدا کر دی ہے یعنی صدر اسلام کے مسلمانوں کا فریضہ تھا کہ ہر ۲۰ نفر دو سو افراد کے مقابلہ میں کھڑے ہو جائیں اور جنگ سے منہ نہ موڑیں لیکن اب بعد میں یہ ذمہ داری ہلکی کر دی گئی اور اس حد تک کم دی گئی کہ اگر سو مسلمان ہیں تو دو سو کفار کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں اور ان سے جنگ کریں لیکن اگر ان کی تعداد نصف سے بھی کم ہو تو جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔

مقام بحث قرآن کا جملہ "وَعَلِمَ" ہے یعنی اب خدا نے جان لیا ہے کہ تم کمزور ہو، کیونکہ اس آیت میں بظاہر لفظ "الآن" یا "اب" لفظ "عَلِمَ" سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں بھی اسی طرح کی بات کہی گئی ہے کہ خدا یہ جاننے کے لئے بعض کام انجام دیتا ہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اور اس تعبیر سے بھی یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ آیا خدا اس کا نتیجہ پہلے سے نہیں جانتا تھا؟ شیطان کے بارے میں ہے:

"وما کان لہ علیھم من سلطان الا لنعلم من یؤمن بالآخرۃ ...." (سبا/۲۱)

(ہم نے شیطان کو پیدا کیا ہے لیکن) ہم نے اس کو مومنین پر تسلط پیدا کرنے کے لئے مقرر نہیں کیا کہ لوگ گناہ کرنے پر مجبور ہو جائیں بلکہ اس کو ذریعہ بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ہم لوگوں کا امتحان لیں اور اس طرح ہم جان لیں کہ کون سے لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور کون سے افراد آخرت کے بارے میں شک کا شکار ہیں"

معلوم ہوا شیطان کی پیدائش کا مقصد (اس آیت کے مطابق) یہ ہے کہ خداوند عالم جان لے کہ کون سے لوگ آخرت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کون سے لوگ شک میں گرفتار ہیں۔ آیت کے ظاہر سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ علم کے وجود کا مرحلہ شیطان کی پیدائش اور اس کے وسوسہ پیدا کرنے کے بعد کا مرحلہ ہے۔

ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں:

"ولنبلونکم حتیٰ نعلم المجاھدین منکم والصابرین و نبلوا اخبارکم"۔ (محمدؐ/۳۱)

ہم تم کو آزماتے ہیں تاکہ جان لیں تم میں کون سے لوگ جہاد کرنے والے کون صبر کرنے والے اور کون سے لوگ فرار کرنے والے ہیں۔

یہاں بھی آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ علم خدا کی منزل آزمائش کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا خداوند عالم کو امتحان و آزمائش سے قبل علم نہ تھا کہ کون سے لوگ میدان جہاد میں ٹھہریں گے اور کون سے لوگ بھاگ لیں گے؟!

مسئلہ کا جواب

خدا کے سلسلہ میں کبھی لفظ علم کا استعمال صفت ذاتی کے طور پر اور کبھی صفت فعلی کے طور پر ہوتا ہے۔

وہ علم جو ذات خدا کی صفت ہے وہ عین ذات ہے اور ناقابل تغیّر ہے اس پر زمان و مکان کے اثرات مرتب نہیں ہوتے یہ ان کے دائرہ میں نہیں آتا البتہ کبھی کبھی علم، فعل کی صفت کے طور پر بولا جاتا ہے تو وہ تمام چیزیں جو فعل کے صفات سے تعلق رکھتی ہیں اس علم پر بھی صادق آتی ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے کہ ارادہ مشیت اور دیگر صفات فعل کے بارے میں ہم نے عرض کیا ہے کہ یہ سب حادث امور ہیں اور یہاں حادث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقل فعل الٰہی کا ذات الٰہی کے ساتھ مقائسہ کرنے کے بعد ذہن میں یہ مفہوم پیدا کرتی ہے اور چونکہ اس کا سرا دونوں طرف ملتا ہے ایک طرف تو ذات اقدس الٰہی ہے اور دوسری طرف زمانیات میں محدود و امکانی مخلوقات لہٰذا اس منزل میں جو بات بیان کی جاتی ہے وہ بھی زمانی و مادّی متعلقات کے اعتبار سے زمانہ کے ساتھ متصف ہو جاتی ہے یعنی جس طرح سے صفت خلق کے ظہور کا ایک زمانہ ہے (ان معنوں میں کہ مخلوق زمانہ سے مربوط ہے نہ یہ کہ ذات صدا میں خلق کے ذریعہ کوئی تغیّر پیدا ہو گیا ہے) اسی طرح

جب کوئی مخلوق علم کے ساتھ وجود میں آتی ہے، عقل مخلوق اور خالق کے درمیان اندازہ لگاتی ہے کہ آیا یہ خلقت علم کے ساتھ انجام پائی ہے بغیر علم کے اس وقت فیصلہ کرتی ہے: خدا جان گیا" یہ "جاننا" ایک پھوٹ کر نکلنے والا مفہوم ہے اور فعل کے صفات سے ہے جو خداوند عالم کے ساتھ مخلوق کے ارتباط کے مقائسے کے تحت کہ جو ایک زمانی امر ہے پھوٹ کر نکلا ہے اس طرح کے علم کو اگر ہم حادث کہیں تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ارادہ کے ذیل میں عرض کیا ہے۔

لیکن اس حادث ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ خداوند عالم کی ذات میں حادث ہوتا یا وجود پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل جس وقت اس وجود کو صفات واجب کے ساتھ تولتی ہے تو اس طرح کا مفہوم ایک مخصوص زمانہ میں پھوٹ کر نکلتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس وقت سے پہلے صفت فعلی کا کوئی مفہوم وجود میں نہیں آتا کہ اس کا اثبات یا نفی کی جاسکے انسان کی تخلیق سے پہلے وہ مقام ہی نہیں آتا کہ کہا جاسکے خداوند عالم حضرت آدمؑ کے وجود سے قبل حضرت آدمؑ کا خالق تھا یا نہیں؟ پہلے آدمی کا وجود ہو جانا چاہیے تاکہ اس کے خالق کے سلسلہ میں بحث کی جائے۔ (البتہ ان معنوں میں کہ "کونہ بحیث اذا شاء یخلق" (وہ جب چاہتا ہے خلق کر دیتا ہے) اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس کی بازگشت خدا کی قدرت کی طرف ہے یہ فعل کی صفت کے طور پر نہیں ہے فعل کی صفت وہ صفت ہے جس میں اپنے مخلوقات کے ساتھ فعل خدا کے رابطہ کی حکایت بیان ہو) تمام کے تمام صفات فعل مخلوق کے ساتھ مرتبط ہیں ان کے لئے ایک مخلوق کا وجود فرض کرنا ضروری ہے یہ اضافت اور نسبت کے طالب ہیں یک طرفہ طور پر ان کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

پس کہا جاسکتا ہے کہ خدا کے بارے میں لفظ علم کا استعمال دو عنوان سے درست ہے (الف) صفت ذات کے عنوان سے جو عین ذات ہے اور قید زمان سے ماوراء ہے۔

(ب) صفت فعل کے عنوان سے جو فعل کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور جس کے لئے قید زمان ممکن ہے البتہ اس کے متعلقات کے اعتبار سے، کہ جو زمان و مکان سے وابستہ

معلوم ہوا کوئی بھی شئے جب تک وجود میں نہ آجائے "موضوع" ہی نہیں رکھتی کہ یہ کہا جائے کہ خدا کو اس کا علم ہے یا نہیں پہلے ایک شئے فرض کیجئے اس کے بعد پوچھئے کہ اس شئے کا خدا کو علم ہے یا نہیں (یہ علم ہونا صفت فعل کے عنوان سے ہے)

اسی طرح سَمِعَ یَسْمَعُ، اَبْصَرَ یُبْصِرُ وغیرہ جتنے بھی الفاظ خداوند عالم کے سلسلہ میں استعمال ہوتے ہیں صفات فعل کے معنی میں ہیں خدا نے دیکھا دیکھتا ہے یا دیکھے گا خدا نے سنا، سنتا ہے یا سنے گا یہ تمام باتیں، عالم ایجاد میں آنے والے فعل کے اعتبار سے کی جاتی ہیں۔ سورۂ مجادلہ میں ارشاد ہے:

"قد سمع اللہ قول ..." (آیت ۱)

یقیناً خدا نے سن لیا ہے اس (عورت کا) قول ...

آیا قول و سخن کے وجود میں آئے بغیر یہ کہنا بجا ہوگا کہ خدا نے (وہ بات) سن لی ہے (جو ابھی وجود میں ہی نہیں آئی ہے؟) ظاہر ہیں کوئی آواز ہونا چاہئے جس پر سننا صادق آسکے البتہ یہ سننا ان معنوں میں نہیں ہوگا کہ ذات خدا میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی ہے جو اب تک نہ تھی، اس سنی جانے والی آواز کا علم پہلے بھی تھا مگر سننا نہ تھا یہ سننا فعل کے ساتھ مربوط ہے کوئی چیز ہونا چاہئے تاکہ کہا جائے کہ خدا نے سنا یا نہیں سنا۔

پس چونکہ فعل کے صفات فعل سے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور خود ذات میں کسی شئے کا اضافہ نہیں کرتے لہٰذا کوئی چیز خود ذات میں پیدا نہیں ہونا چاہئے جو اس کی مصداق ہو بلکہ یہ ایک قیاسی عمل ہے جو عقل انجام دیتی ہے عقل کہتی ہے کہ یہ مخلوق جس کو ذات خدا نے وجود عطا کیا ہے آیا خدا اس کا علم رکھتا ہے یا نہیں رکھتا ہے؟ لیکن ان معنوں میں نہیں کہ علم نام کی کوئی شئے ذات خدا میں اضافہ ہوئی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق خدا کے علم حضوری میں ہے اور چونکہ اس کے سامنے ہے لہٰذا وہ اس کو دیکھ رہا ہے یہ "دیکھنا" اسی وقت ہے جب خدا اس کو وجود عطا کر دے، وجود سے قبل اس کا مقام ہی نہیں آتا کیوں کہ یہ فعل کی صفت ہے لیکن جاننے کے سلسلہ میں بات اتنی واضح نہیں ہے "جاننے" میں دو اعتبارات پائے جاتے ہیں ایک تو یہ جاننا فعل کی صفت ہو اس صورت میں یہی بات

یہاں بھی کہی جائے گی، یہ "جاننا" عالم مشاہدہ میں دیکھنے کے مساوی ہے اور عالم سماعت میں "سننے" کے مترادف ہے خدا نے دیکھا یعنی سمجھا۔ یہ علم جو فعل کے تحت ہے بالکل دیکھنے، سننے اور کہنے کی مانند وہ مفہوم ہے جو فعل سے خارج ہوتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ اس کے لئے ایک خاص زمانہ بھی تصور کیا جا سکے۔

تم کو آزماتا ہے تاکہ جان لے۔۔ اس "تاکہ جان لے" کا مطلب "تاکہ تمہارا عمل اس کے سامنے آجائے" ہے کیونکہ جب ایک عمل اس کے سامنے آتا ہے تو عقل اس سے علم کا مفہوم استخراج کر لیتی ہے اور چونکہ فرض یہ ہے کہ آزمائش کے بعد جانتا ہے لہٰذا فرمایا ہے "لیعلم" یہ بعد میں جاننا فعل کی صفت اور فعل صادر ہونے سے قبل اس کا جاننا خدا کے لئے بجا نہیں ہے پس اس صورت میں بھی اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ہم تم کو آزماتے ہیں تاکہ اپنی جہالت دور کریں بلکہ تم کو آزماتے ہیں تاکہ تمہارا فعل ہمارے سامنے مشاہدے اور منظر کی صورت میں آجائے۔

بہر حال ان آیات کے حل کی راہ یہی ہے کہ ہم علم خدا کو دو جہتوں سے تعبیر کریں:
(الف) علم بعنوان صفت ذات (ب) علم بعنوان صفت فعل، جہاں فعل کے وجود کے ساتھ صفت ظاہر ہوتی یا پھوٹتی ہے۔

کتاب خدا میں "کتاب" کا مفہوم

قرآن شریف کی آیات میں ایک اور تعبیر ملتی ہے جو ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم علم خدا کے بارے میں مزید غور و فکر سے کام لیں

قال علمھا عند ربی فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسیٰ" (طٰہٰ/۵۲)
(موسیٰؑ نے) کہا اس چیز کا علم میرے پروردگار کے پاس کتاب میں موجود ہے خدا کوئی شئے گم نہیں کرتا اور بھولتا بھی نہیں ہے"

یہ عبارت کہ خدا کا علم ایک کتاب میں ہے سوال پیدا کرتی ہے کہ وہ کس طرح کا علم ہے

جو کتاب میں ہے؟ وہ علم خدا جو عین ذات ہے کتاب میں نہیں ہے، ذات خدا ہے اور وہ علم بھی، جو فعل کے ساتھ ظاہر یا خارج ہوتا ہے خود فعل کے ساتھ وابستہ ہے پس یہ کس طرح کا علم ہے جو کتاب میں ہے؟ کیا خداوند عالم کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ لکھے تاکہ بھول نہ سکے اس تعبیر سے تو کچھ اسی طرح کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ خدا بھول سے بچنے کے لئے لکھ لیتا ہے تاکہ وقت ضرورت اس کو دیکھ سکے خاص طور پر بعد کی عبارت "و لا ینسیٰ" سے یہی خیال ابھرتا ہے !!

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خدا کے پاس کتاب نامی ایک مخلوق ہے اور یہ تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ جو دوسری مخلوقات کو ظاہر و نمایاں کرتی ہے جو بھی اس میں دیکھتا ہے دوسری مخلوقات کے حالات سے باخبر ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ خدا کی تخلیق ہے اس لئے اس کا وجود بھی ایک طرح سے علم خدا شمار ہوتا ہے یعنی یہ وہی علم خدا ہے جو اس کتاب میں ثبت و منعکس ہے اور ان واقعات و حوادث کو بیان کرتا ہے جو ظاہر ہوتے ہیں اس سے ملتی جلتی تعبیر قرآن مجید میں اور بھی موجود ہے سورۂ حج میں اعلان ہوا ہے

الم تعلم انّ اللّٰہ یعلم ما فی السّماء والارض انّ ذالک فی کتاب ...." (حج / ۷۰)

کیا تم کو نہیں معلوم اللہ زمین و آسمان کی تمام باتیں جانتا ہے اور یہ سب باتیں کتاب میں موجود ہیں ...

"لا یعزب عنہ مثقال ذرّۃ فی السّمٰوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذالک ولا اکبر الّا فی کتاب مبین" (سبا / ۳)

اس (خدا) کے علم سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے دلو ذرہ برابر کیوں نہ ہو، نہ ہی ذرہ سے چھوٹا اور نہ ہی اس سے بڑا (کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے) بلکہ سب کچھ اس کی روشن کتاب میں موجود ہے"

ان آیتوں میں بھی علم خدا کا کتاب کے ساتھ تعلق ذکر کیا گیا ہے اور یہی بات ذہن میں آتی ہے کہ شاید یہی کتاب علم خدا کا ذریعہ اور راہ ہے لیکن مذکورہ باتوں کو پیش نظر

رکھنے کے بعد اس بات سے ایک دوسری چیز ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ:

علم ذات اور علم فعل کے علاوہ ایک اور علم بھی خدا کے یہاں پایا جاتا ہے جس کا نام کتاب ہے اور تمام چیزیں اس میں ظاہر و منعکس کر دی گئی ہیں اور اس کو علم خدا کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ تمام یا بعض مخلوقات خدا اس میں منعکس ہیں، کتاب ہے اس جہت سے کہ ہر شخص (جس کے لئے ممکن ہو) اس کو دیکھ سکتا ہے اور دیگر مخلوقات کے حالات سے آگاہی پیدا کر سکتا ہے یعنی خدا کی ذات سے الگ ایک مخلوق ہے لیکن خدا کی ہی چیز ہے خدا نے اس کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ وہ تمام چیزوں کے لئے (سرچشمۂ) علم قرار پائے۔

پس "یہ کتاب" علم الٰہی کے مراتب میں سے ہے ہم نے افعال الٰہی کے مراتب کی بحث میں عرض کیا تھا کہ عقل کے نزدیک اس عنوان سے فعل الٰہی کے لئے مدارج و مراتب کا تصور ممکن ہے کہ ان میں بعض عمل بعض عمل پر مراحل کے لحاظ سے مقدم ہوں اگرچہ ظرف زمان یا وقت ظہور کے اعتبار سے سب ایک ساتھ ہی ہوں، یعنی جب عقل ایک وجود خدا کی جانب سے وجود پاتے ہوئے دیکھتی ہے تو گویا اس کے نزدیک خدا کی جانب سے فعل صادر ہوا ہے اور اس کی طرف سے کسی فعل کا صادر ہونا بے خبری کے تحت نہیں ہو سکتا پس وہ فعل خدا کے سامنے موجود ہے خدا اس کو دیکھتا پہچانتا اور جانتا ہے کیونکہ خدا کی ذات وہ ذات ہے جو ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے اس کے سامنے ہے اور علم بھی اس سے الگ کوئی چیز نہیں ہے کہ علم و درک کی صلاحیت رکھنے والی ذات کے سامنے ایک شئے موجود ہو، اس منزل میں، علم کا مفہوم اس معنیٰ میں جو صفات فعلیہ سے نکلتا ہے، اس سطح پر بھی نکلتا ہے، اگر یہ چیز ظرف زمان میں آتی ہو تو یہ صفت علم بھی زمانہ سے تعلق رکھتی ہوگی۔ جس طرح سے کہ وہ تمام الٰہی صفات جن کا فعل سے استخراج ہوتا ہے اگر وہ فعلی زمانہ سے تعلق رکھتا ہو تو اس کی نسبت زمانہ کے ساتھ (متعلق کے لحاظ سے) صحیح ہے۔

بات کی مزید وضاحت کے لئے تاکہ ذہن بہتر طور پر سمجھ سکے مفہوم علم کے بجائے رویت و مشاہدہ کا مفہوم لے لیجئے خدا جو کچھ بھی خلق کرتا ہے اس کے سامنے ہے اور جو کچھ اس کے سامنے ہے

اس کو دیکھ رہا ہے اور اس دیکھنے کا مطلب آنکھ سے دیکھنا نہیں ہے بلکہ جو چیز ہم آنکھوں کے ذریعہ مشاہدہ کرتے ہیں خدا اسی چیز کو بہ نحو احسن دیکھتا ہے یہ دیکھنا ہی علم ہے آیا وجود سے قبل کسی مرئی (قابل مشاہدہ) وجود کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے؟ جی نہیں! رؤیت اور مشاہدہ وہاں ہے جہاں شئے مرئی یعنی قابل دید ہو۔

یہ علم جو اس مرحلہ میں فعل خدا سے ثابت ہوتا ہے ایک ایسے مفہوم کا حامل ہے جو خدا کے علم ذاتی سے الگ مفہوم رکھتا ہے جہاں ہر چیز کا علم اس کے یہاں موجود ہے چاہے شئے وجود میں آچکی ہو یا وجود میں نہ آئی ہو فرق نہیں پڑتا، یہ وہ تعبیر ہے جو عقل پیش کرتی ہے ورنہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ذات خدا میں تغیر پیدا ہوتا ہے یا اس کے یہاں کوئی ایسی کیفیت و حالت رونما ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی یا کوئی نیا علم اسے حاصل ہو جاتا ہے جی نہیں بلکہ یہ وہ مفہوم ہے جو مخلوق کے ساتھ فعل خدا کو رکھنے کے بعد عقل سے نکلتا ہے ہم اس کا نام علم بھی رکھ سکتے ہیں یا چاہیں تو مرئیات میں دیکھنا یا مشاہدہ کرنا اور مسموعات میں سننا یا سنائی دینا بھی کہہ سکتے ہیں۔

ذہنی وحشت کو دور کرنے کے لئے ہم مزید وضاحت کئے دیتے ہیں: آیا دنیا کو پیدا کرنے سے قبل یا بعد خدا کے یہاں کوئی تبدیلی یا فرق پیدا ہو گیا؟ اس کی ذات میں کوئی تغیر رونما ہو گیا؟ آیا تخلیق کی وجہ سے اس کے یہاں کوئی کمی آگئی یا کوئی چیز اس کے بڑھ گئی؟ جی نہیں! خدا کی ذات غنی علی الاطلاق ہے تخلیق کے ذریعہ نہ تو اس کی ذات میں کوئی کمی پیدا ہوتی نہ ہی کچھ اضافہ ہوتا، ذات کے لحاظ سے ہم قدرت کا مفہوم نکالتے ہیں خلق کی قدرت و صلاحیت، اور یہ قدرت عین ذات ہے، قبل و بعد یا وقت تخلیق ہر مرحلہ میں قدرت ذات سے وابستہ ہے لیکن خالق یا خلق کرنا تخلیق سے قبل کوئی مفہوم نہیں رکھتا تھا، تخلیق سے قبل نہیں کہا جا سکتا تھا کہ خدا نے خلق کیا ہے، یہ مفہوم اس وقت وجود میں آیا جب ایک مخلوق وجود میں آگئی پس معلوم ہوا کہ ایجاد یا خلق کرنا ایک ایسا مفہوم ہے جو عمل خلق کے ساتھ جوڑ کر نکلتا ہے، یہ عقل ہے جو ان دو ہری نسبتوں (ذو الاضافہ) کے حامل مفہوم کو، اس وجود اور واجب الوجود کے درمیان مقائسہ

کرنے کے بعد ظاہر کرتے ہوئے کہتی ہے کہ خدا نے اس وجود کو پیدا یا خلق کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا پہلے خالقیت کی قدرت و صلاحیت سے محروم تھا اب یہ قدرت پیدا ہوئی ہے بلکہ یہ وہ وجود ہے جو عقل کے نزدیک پیدا ہوا ہے۔

پس علم کی حیثیت مقام فعل کے اعتبار سے یہی مفہوم رکھتی ہے علم ذاتی اپنی جگہ موجود ہے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، لیکن کبھی کبھی انتزاعی مفہوم میں بھی علم کا استعمال ہوتا ہے ویسے ہی جس طرح سے خلق و ایجاد عقل کے نزدیک ایک انتزاعی مفہوم رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ علم جس کی کتاب کی طرف نسبت دی گئی ہے یہ بھی عین ذات نہیں ہے کیونکہ کتاب میں ہے اور کتاب مخلوق خدا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے ایک اور علم ہے جس کو دیگر مخلوقات سے قبل خدا کی طرف اس لحاظ سے نسبت حاصل ہے کہ خدا نے ایک چیز پیدا کی جس میں آئندہ رونما ہونے والے تمام حوادث و واقعات منعکس کر دیئے اور یہ طبعاً علم خدا سے ہی ہے اور خدا نے ہی اس کو وجود دیا ہے بنا برایں جب عقل اس کو دیکھتی ہے تو اس کو بھی علم الٰہی کے ظہور کا ہی ایک مرحلہ قرار دیتی ہے لیکن اس معنی میں نہیں کہ جب یہ چیز وجود میں آئی خدا کے علم میں کچھ اضافہ ہو گیا اور ذات الٰہی کو کوئی اور شئے مل گئی بلکہ یہ سب محض وہ جلوہ گری ہے جو اس کے یہاں موجود رہی ہے۔

اسی طرح تمام آیات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ خدا کی جانب تین اعتبار سے علم کی نسبت دی جاتی ہے:

(۱) علم ذاتی (۲) علم فعلی (کتاب کی تخلیق کے مرحلہ میں) اور یہ علم موجودات کے وجود سے قبل کی منزل ہے:

(۳) علم فعلی زمانی جو کسی حادثہ یا واقعہ کے ظہور و وجود میں آتے وقت یا اس کے ساتھ ساتھ وجود میں آتا ہے۔

وہ علم جو کتاب میں ہے اور کتاب جس علم کی مظہر ہے اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم مربوط آیات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں خاص طور پر اس مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ روایات و احادیث میں اس نکتہ کی نشاندہی موجود ہے کہ خارجی دنیا میں

جو کچھ بھی وجود میں آتا ہے اس سے قبل چند چیزوں کا وجود مسلّم ہے۔ علم کتاب، اذن، اجل، قدر، قضا، (اور بعض روایات میں مشیت اور ارادہ کا بھی ذکر ملتا ہے) کہ یہ سب فعل الٰہی کے وجود میں آنے کے مراحل ہیں، ہم نے بھی ان مراحل کی حقیقت قرآنی آیات میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ پہلا مرحلہ مقام فعل میں علم کا تھا جو ذکر ہوا، دوسرا مرحلہ کتاب کا مرحلہ ہے یعنی یہ مخلوق کو زۂ وقت میں اس طرح منعکس ہے کہ اگر کسی کو اس کے نظارے کا شرف حاصل ہو جائے اس کو سمجھ سکتا ہے لیکن وہ مخلوق کیا اور کیسی ہے ہماری عقل کی رسائی سے دور ہے خود قرآن میں بھی اس کی حقیقت کے بارے میں اس طرح کی کوئی بات کہ جس کی روشنی میں ہم اس کو سمجھ سکیں، نہیں دیکھی، قرآن محض اجمالی طور پر "کتاب" نام کی ایک مخلوق کا ذکر کر کے گزر گیا ہے۔

آیات کے جائزہ سے قبل مقدمہ کے طور پر کتاب کے مفہوم کی توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

"کتاب" کا مفہوم

"کتاب" نوشتہ کو کہتے ہیں اور عربی زبان میں بھی اسی معنی میں بولا جاتا ہے لیکن یہ کہ کتب کی اصل اور بنیاد کیا ہے کیوں اور کس لحاظ سے نوشتہ کو کتاب کہتے ہیں اور آیا "اکٹھا" اور "جمع" کے معنی میں ہے یا ثبت و تحریر کے معنی میں؟ یہ وہ باتیں ہیں جو نہ صرف یہ کہ بات کو سمجھنے میں مفید نہیں ہوتیں بلکہ ذہن کو اور زیادہ گنجلک بنا دیتی ہیں۔ اصولاً جو الفاظ قرآن کریم اور روایات میں استعمال ہوئے ہیں اگر کوئی روشن و واضح مفہوم رکھتے ہوں تو ابہام کی گنجائش ہی نہیں ہے اور اگر قطعی قرائن سے پتہ چلتا ہو کہ فلاں لفظ کس معنی میں استعمال ہوا ہے حقیقت کے طور پر استعمال ہوا ہے یا مجاز کے طور پر، وغیرہ وغیرہ تو ایسے موارد میں، اصل کلمہ کی چھان بین (کہ یہ لفظ کہاں سے آیا کیسے آیا کس معنی میں آیا؟ وغیرہ) ذہن کو الجھاتا اور گمراہ کر دیتا ہے

پس "کتابت" فارسی (اور اردو) میں عین وہی "نوشتن" یا "لکھنا" ہے۔

البتہ قرآن کریم میں لفظ "کتاب" مختلف موارد میں استعمال ہوا ہے

۱۔ "لکھنا" اور "لکھا ہوا (نوشتن اور نوشتہ) کے معنی میں۔ حکم تشریعی کے ذیل میں آتا ہے:

انّ الصّلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً"۔ (نساء/ ۱۰۳)

"مقرر و معین وقت و زمانہ کے ساتھ مؤمنین کے لئے نماز ایک نوشتہ ہے"۔

نوشتہ ہے یعنی فریضہ ہے واجب ہے ایک شرعی ذمہ داری ہے؟) اس منزل میں دلو سمجھنے کے لئے اس بحث سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے کہ آیا یہاں لفظ کتاب حقیقی ہے یا مجازی؟ کیونکہ ہم مورد استعمال سے واقف ہیں۔

۲۔ آسمانی کتابوں کے بارے میں:

(الف) "... وانزل معھم الکتاب بالحقّ لیحکم بین النّاس فیما اختلفوا فیہ..."۔ (بقرہ/ ۲۱۳)

"... اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان جن باتوں میں اختلاف ہو ان کا فیصلہ کریں۔"

(ب) "... وانزلنا معھم الکتاب والمیزان..."۔ (حدید/ ۲۵)

"اور ہم نے ان کے ساتھ "کتاب" اور میزان نازل کی"۔

اب قرآن نے ان کو کیوں "کتاب" کے لفظ سے یاد کیا ہے؟ آیا ما من شانہ ان یکتب یعنی ان کی شان ہی یہ ہے کہ ان کو لکھا جائے گا یا یہ کہ دوسری دنیا میں یہ لکھی ہوئی ہیں یا یہ کہ دوسری آسمانی کتابیں بھی توریت کی تختیوں کی طرح لکھی ہوئی نازل ہوئی تھیں جو ملائکہ کے توسط سے پیغمبروں پر آتی رہی ہیں؟ یہ سب وجہیں ممکن ہیں لیکن بہرحال اتنا معلوم ہے کہ: چاہے قرآن کاغذ پر لکھا ہوا ہو یا فقط سینوں میں محفوظ ہو اس کا نام "کتاب اللہ" ہے ہم اتنا جانتے ہیں کہ جو چیز خدا نے پیغمبروں پر نازل فرمائی اور حقائق و معارف یا مسائل و احکام وغیرہ پر مشتمل ہے اس کا نام خدا نے کتاب قرار دیا ہے

۳ - نامۂ اعمال کے بارے میں :

ہمارے عقائد میں سے ایک چیز جس پر قرآن و روایات کی نص بھی موجود ہے، یہ ہے کہ ہر شخص کا ایک نامۂ اعمال ہے جس کے لئے خداوند عالم نے فرشتے مقرر کئے ہیں کہ وہ لوگوں کے اعمال کو قلم بند کرتے ہیں کراماً کاتبین"، روز قیامت اعمال کے یہ دفاتر نکالے جائیں گے اور متعلقہ شخص کو دیئے جائیں گے کسی کو دائیں ہاتھ میں کسی کو بائیں ہاتھ میں جیسا کہ آیات و روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس نامۂ اعمال کا نام بھی کتاب ہے اس بارے میں آیتیں بہت ہیں منجملہ ان کے سورہ اسراء کی یہ آیت بھی ہے :

ونخرج له يوم القيامة كتاباً يلقيه منشوراً
اقرأ كتابك" (آیت ۱۳ و ۱۴)

روز قیامت ہم ایک نامۂ اعمال باہر کرتے ہیں اور انسان کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اس کے سامنے کتاب کھلی ہوئی ہوتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے پڑھو اور اپنے اعمال کا خود ہی اندازہ لگالو"

كفى بنفسك اليوم عليك حسيباً" (اسریٰ/۱۴)

آج تمہارے حساب کے لئے یہی کتاب کافی ہے

بہر حال، یہ بھی ایک کتاب ہے جو ملائکہ کے ذریعہ لکھی جاتی ہے اور قیامت تک کام جاری رہتا ہے یہاں تک کہ خود انسان کے سامنے پیش کر دی جاتی ہے۔

بعض آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ملائکہ جس وقت انسان کے اعمال لکھتے ہیں ایک دوسری کتاب سے اُتارتے یا نقل کرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے

انا كنا نستنسخ ما كنتم تعملون" (آیت ۲۹)

تم جو عمل انجام دیتے جاتے ہو ہم اس کو اتارتے جاتے ہیں"

معصوم علیہ السلام سے سوال ہوا : ملائکہ کہاں سے اُتارتے یا لکھتے ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں : کیا تم عرب نہیں ہو؟ عربی زبان میں استنساخ (نسخہ کرنا یا اتارنا) کس چیز کو کہتے ہیں؟ یعنی ایک دوسری کتاب سے اتارنا" یا نسخہ کرنا مراد

نہ کہ نئے سرے سے لکھنا اس کو کتابت کہتے ہیں۔

اس روایت کے مطابق امام فرماتے ہیں فرشتے انسان کے اعمال لکھتے وقت "لوح محفوظ" یا ایک دوسری کتاب کو دیکھتے ہیں اور اس کے مطابق لکھتے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں موارد سے متعلق جو آیتیں ہیں وہ ہماری بحث سے تعلق نہیں رکھتیں ہماری بحث اس کے بعد چوتھے مورد سے مربوط ہے۔

۴۔ خدا کے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین،،

کوئی خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

یعنی یہ کتاب تمام چیزوں پر مشتمل ہے (بعض خیال کرتے ہیں کتاب مبین قرآن ہے لیکن بظاہر ایسا نہیں ہے اور اتفاقاً یہ ان آیات میں سے ہے کہ جس میں علم کا کتاب کے ساتھ تعلق بتایا گیا ہے یا اس سے بہتر انداز میں عرض کروں کہ: کتاب کو علم اور "جاننے" کا جانشین یا بدل قرار دیا گیا ہے یعنی بجائے اس کے کہ قرآن کہتا: "لا رطب ولا یابس الا فی علم اللہ" کوئی خشک و تر ایسا نہیں جو اللہ کے "علم" میں نہ ہو) قرآن کہتا ہے: "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"۔

اس بات کو قرآن کریم نے مختلف عبارتوں اور تعبیروں کے ساتھ پیش کیا ہے کبھی کہتا ہے:

الف: یہ کتاب ہمارے پاس ہے:

"وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلیٌ حکیم" (زخرف/۴)

اور یہ (کتاب) ہمارے پاس "ام الکتاب" میں نہایت درجہ بلند اور حکمت سے معمور کتاب ہے،،

"وعندنا کتاب حفیظ،،(ق/۴) اور ہمارے پاس ایک حفاظت کرنے والی کتاب موجود ہے،،

ایک جگہ کتاب کو لفظ "مبین" (واضح، آشکار، روشن) کی صفت سے یاد کیا گیا ہے یہاں کتاب لفظ "حفیظ" "اسم فاعل کے طور پر" حافظ" (حفظ کرنے والی) کے معنی میں

یاد کی گئی ہے اور احتمال یہ بھی ہے کہ حفیظ اسم مفعول یعنی محفوظ کے معنی میں ہو جیسا کہ دوسری آیت میں کہا گیا ہے۔

بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ" (بروج / ۲۱ - ۲۲)

بلکہ یہ بزرگ و برتر قرآن ہے، جو لوح محفوظ میں محفوظ کیا گیا ہے۔ یعنی تا کہ خود کتاب ضائع نہ ہو سکے اور محفوظ رہے۔

(ب) کبھی اس کو کتاب "مکنون" کی تعبیر سے یاد کیا گیا ہے:

"انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون (واقعہ/ ۷۷ - ۷۸)

یہ بڑا ہی محترم و مکرم قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے"۔

(ج) اور بہت سے آیات میں "ام الکتاب" کی تعبیر استعمال ہوئی ہے اور یہ تعبیر ایک دوسرے مفہوم کی طالب ہے، انسان کے ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے کئی کتابیں ہیں ان میں ایک "ماں" یا "اصل" ہے بقیہ اس کی فرعیں اور شاخیں ہیں جس طرح ایک مرکزی دفتر اور بقیہ اسی کے شعبے اور شاخیں جن میں اس کی چیزیں منعکس ہوتی ہیں ایسی آیتیں بھی موجود ہیں جس سے اس کی تائید ہوتی ہے: "لکل امۃ کتاب" (ہر قوم کے لئے کتاب ہے) یا اعلان ہوتا ہے یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت "(اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جو کچھ چاہتا ہے) باقی رکھتا ہے لیکن ایسی بھی کتاب ہے کہ ہر چیز اس میں جلوہ گر ہے: وعندہ ام الکتاب"۔

روایات سے کم و بیش اس خیال و حدس کو تقویت حاصل ہوتی ہے کہ ایک کتاب تو اصل ہے جس میں سب کچھ موجود ہے ہر شخص ہر واقعہ، ہر زمانہ اور ہر جگہ کی بات اس میں مل جائے گی: ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین "نیز ایسی بھی کتابیں ہیں جو شعبے اور شاخ کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً کسی خاص قوم یا جگہ سے تعلق رکھتی ہیں: کتاب الابرار، کتاب الفجار" وغیرہ پس اصلی کتاب ام الکتاب" ہے۔

یہ "ام الکتاب"، یقیناً خود خدا نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے کیونکہ ارشاد ہوتا ہے "عندنا" ہمارے پاس یعنی ہم سے الگ ایک مخلوق ہے جس میں سب کچھ موجود ہے منجملہ ان کے خود قرآن کریم بھی ہے جس کو اسی میں جگہ حاصل ہے۔ وانہ فی ام الکتاب

لدنیا لعلیّ حکیم" (زخرف/۴)

اب سوال یہ ہے کہ یہ کتاب کیا ہے؟ کہاں ہے؟ کیسی ہے؟ کس طرح کا کاغذ ہے؟ کیسی روشنائی ہے؟ کس خط اور کس زبان میں ہے؟ غرض یہ کہ یہ کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ اور ہم بھی "اسکتوا عمّا سکت اللہ عنہ" (جس چیز کے بارے میں خدا خاموش ہے تم بھی چپ رہو) کے تحت اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتے، بس اجمالی طور پر اتنا جانتے ہیں کہ ایک موجود ہے جس کو خداوند عالم نے پیدا کیا ہے اور وہ دوسرے موجودات کی جلوہ نمائی کرتا ہے جن لوگوں میں اس سے استفادہ اور مراجعہ کی صلاحیت پائی جاتی ہو اور اس سے رابطہ پیدا کر سکتے ہوں حقائق کو درک کر سکتے ہیں اور وہی لوگ اس سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں جو "لا یمسّہ الّا المطہّرون" کے مطابق مطہّرون کے مصداق ہیں، یعنی طاہر و پاکیزہ ہیں جن میں قدر متیقّن متجسّم پاک کی ذوات مقدسہ ہے جن کے لئے ارشاد ہے:

"انّما یرید اللہ لیذہب عنکم الرّجس اہل البیت ویطہّرکم تطہیرا" (احزاب/۳۳)

اللہ کا تو بس یہی ارادہ ہے کہ اے اہلبیتؑ! وہ تم سے رجس کو دور رکھے اور تم کو اتنا پاک و پاکیزہ رکھے جو اس کا حق ہے۔

چنانچہ اہلبیتؑ مطہّرین اس کتاب سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں اور حقائق کو درک کر سکتے ہیں۔

"یہ کتاب" جو کچھ بھی ہے بہت ہی قیمتی ہے اور ہم سے مکنون و پوشیدہ ہے خدا کے پاس ہے: "عندنا" (ہمارے پاس) "لدنیا" ذہن کو قریب اور مانوس کرنے کے لئے بس اتنا کہا اور ان تعبیرات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ: یہ ایک ایسا وجود ہے جو تغیر و تبدل اور انقلاب کا شکار نہیں ہوتا، محفوظ ہے اور کوئی بھی چیز اس پر اثر انداز نہیں ہوتی ایسا وجود جو مکنون و مستور ہے۔ ایسا جس کے لئے "عند اللہ" کی تعبیر درست ہے، خاص طور پر اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ قرآن کریم نے جن چیزوں کو

"عند اللہ" قرار دیا ہے ان کے لئے ایک خاص اصطلاح استعمال کی ہے:

ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق" (نحل/۹۶)

"جو کچھ تمہارے پاس ہے خرچ ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے باقی رہ جائے گا"

پس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ مخلوق تغیر و تبدّل اور انقلاب و زوال سے محفوظ ہے اس سے زیادہ آیات کے ظواہر سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ مخلوق (کتاب) محفوظ و مکنون ہے اور الٰہی علم کا ہی ایک پرتو اور جلوہ ہے۔

ایک سوال

قابل غور و فکر بات یہ ہے کہ آیا ہمارے اختیاری اعمال و افعال بھی اس میں درج ہیں یا نہیں آیا وہ تمام حوادث و واقعات جو انسان کی زندگی میں پیش آتے ہیں اس میں ہیں یا نہیں ہیں ؟!

اس سوال کے دو مرحلے ہیں چونکہ انسان فکر کرتا ہے کہ اگر ہمارے تمام اختیاری اعمال پہلے سے معلوم و معین ہوں تو اس سے ایک طرح کا جبر یا مجبوری پیدا ہو جائے گی، یعنی اگر ہر کسی کی زندگی میں پیش آنے والے حادثات و واقعات پہلے سے لکھے ہوئے ہیں تو ہمارے افعال جبر یا مجبوری کا شکار ہیں ہر ایک کی قسمت و سرنوشت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اب وہ چاہے یا نہ چاہے بہر حال وہ چیز سامنے آتا ہے۔

اس مسئلہ کے بہت ہی وسیع پہلو ہیں منجملہ ان کے اس کا علم الٰہی کے ساتھ ارتباط بھی ہے، پہلی بات تو یہ کہ آیا واقعاً قرآن نے یہی کہا ہے کہ ہم جو کام بھی اپنے ارادہ اور اختیار کے تحت انجام دیتے ہیں وہ سب اس کتاب میں موجود ہیں، ؟ جی ہاں! قرآن کہتا ہے وہ سب موجود ہیں! دوسری بات یہ کہ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" کا اطلاق ہمارے اختیاری افعال پر بھی ہوتا ہے لیکن صرف اسی عموم پر اکتفا نہیں ہوئی، بلکہ اس کے

سلسلہ میں پوری صراحت کردی گئی ہے کہ جو واقعہ اور حادثہ بھی کسی کے لئے پیش آتا ہے اس کے پیش آنے سے پہلے ایک ایک چیز کتاب مکنون میں درج ہے:

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر۔ (حدید/۲۲)

مصیبتوں میں کوئی بھی مصیبت زمین میں نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے نفس پہ نازل ہوتی ہے، مگر یہ کہ کتاب میں پہلے سے درج کردی گئی ہے اور یہ کام اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔

اور اگر آیۃ "نستنسخ ما کنتم تعملون"، یعنی ہمارے اعمال نامے ایک دوسرے لوح سے اتار لئے ہیں، سے بھی استفادہ کریں تو یہ آیتیں صاف طور پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام حوادث حتیٰ اختیاری اعمال بھی پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔ مگر کیا اس سے جبر یا ہماری مجبوری لازم آتی ہے؟!

ہرگز نہیں! اس کا جواب بہت ہی آسان ہے، کیونکہ یہ حوادث جس عنوان سے پیش آنے والے ہیں اسی طرح لکھ دیئے گئے ہیں (نہ یہ کہ لکھ دیئے گئے ہیں لہٰذا ہم اسی طرح اس کام کو انجام دیتے ہیں) یعنی جو کچھ بھی ہم اپنے اختیار کے تحت کرتے ہیں، لکھا ہوا ہے کہ فلاں کام فلاں شخص فلاں زمانہ میں خود اپنے اختیار کے تحت انجام دے گا، یہ نہیں لکھا ہے کہ وہ یہ کام کرنے پہ مجبور کیا جائے گا کہ تم کو یہ کام کرنا ہی ہے، یہ تثبیت اختیار ہے نہ کہ جبر! اگر جبری ہو تو علم اور کتاب الٰہی کے خلاف ہے۔

ہر حادثہ اور واقعہ جس طور ہونے والا ہے لکھا گیا ہے، وہاں حوادث و واقعات اسی طرح جلوہ گر ہیں جس طرح عالم ظہور میں آنے والے ہیں، "علی ما ھی علیھا" ہر واقعہ اپنے وسائل و اسباب کے ساتھ اس میں منعکس ہے

پس بات اتنی سی ہے کہ خدا سب کچھ جانتا ہے اور لکھتا رہتا ہے حتیٰ پہلے سے اعلان بھی کر دیتا ہے فلاں شخص خود اپنے اختیار کے ساتھ فلاں وقت یہ یہ کام انجام دے گا، اس سے جبر یا انسان کی مجبوری لازم نہیں آتی کیونکہ فرض یہ ہے

کہ خدا نے کہا ہے کہ یہ کام وہ اپنے اختیار سے انجام دے گا، اور اس کا راز ہی اس کی حیثیت علم ہے، واقعیت کی جلوہ نمائی جیسی صورت ہے ان معنوں میں نہیں کہ وہ واقعیت کو بدل دیتا ہے بلکہ جس طرح ہے ایسا ہی ظاہر کر دیتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے لکھا جانا کسی بھی طرح موجب جبر نہیں ہے، ہماری قسمتیں، ہم خود جس انداز سے بنانے والے ہیں وہ وہاں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں

خدا کی طرف انسان کا فطری میلان

جناب شیخ جوادی آملی
ترجمہ: جناب سید احتشام عباس زیدی

پچھلے مقالے میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ چھٹی قسم کی آیتیں جو توحید کے فطری ہونے اور مبداء کی طرف انسان کے فطری رجحان و میلان پر دلالت کرتی ہیں، آیات محبت ہیں۔ یہ آیتیں انسان کی عبادت کو محبت کی راہ سے بیان کرتی ہیں اور ان سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ "رب" وہ ہے جو فطری طور سے انسان کا محبوب ہو اور انسان اس سے محبت رکھتا ہو۔ انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے معبود سے محبت نہیں رکھتا کیونکہ ہر انسان کا خمیر محبت سے اٹھا ہے اور ہر محبت جو انسان کے وجود میں خدا کے علاوہ کسی اور کی ہو وہ جھوٹی محبت ہے۔ اس بنا پر جو انسان خدا کے علاوہ کسی اور کو دوست رکھتا ہو اگر یہ کہے کہ میں خدا کو چاہتا اور اس سے محبت رکھتا ہوں، وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں ہے۔

ملحدوں سے جناب ابراہیمؑ کے احتجاج و مناظرہ میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرتؑ نے اپنی بحث میں دو بنیادوں پر تکیہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ انسان اپنے معبود کی نسبت قلبی محبت کا احساس رکھتا ہے اور دوسرے یہ کہ وہ معبود جسے وہ چاہتا ہے لازوال ہو اور آسمانوں اور زمین کو خلق کرنے والا ہو۔ بعض مفسروں نے اس احتجاج کو برہان و دلیل کے بجائے صرف ایک موعظہ و خطابت کی نظر سے دیکھا ہے، لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہے

کیونکہ یہ ایک عقلی مسئلہ ہے کہ جو محبت بھی خدا کے علاوہ کسی غیر سے ہو جھوٹی محبت ہے اور وہ غیر خدا مطابقت میں غلطی کی بنیاد پر محبوب قرار پایا ہے، اس لئے کہ جیسا آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں، اس برہان و دلیل کے صدر و وسط میں یہ مسئلہ ذکر ہوا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت دکھائے۔

جناب ابراہیمؑ اور نظارۂ ملکوت

جب جناب ابراہیمؑ کی پیدائش ہوتی ہے تو انھیں نمرود کے خوف سے ایک غار کے اندر مخفی رکھا جاتا ہے۔ آپ بڑے اور سمجھدار ہونے تک وہیں زندگی بسر کرتے ہیں، پھر غار سے نکل کر معاشرہ میں قدم رکھتے ہیں۔ اس وقت اپنے زمانہ کے بت پرستوں اور ستارہ پرستوں سے ٹکر لیتے اور بحث شروع کرتے ہیں "صابئین" سے ان کی یہ بحث انھیں ملکوت کا نظارہ کرائے جانے کا ہی نتیجہ ہے سورۂ انعام آیت ۷۵ میں ارشاد ہوتا ہے

"وکذالک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین"

"اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھائے تاکہ وہ اہل یقین بن جائیں"

اور آیت ۷۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

واذقال ابراھیم لابیہ آذر اتتخذ اصناما آلھۃ انی اراک وقومک فی ضلال مبین"

جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ (مربی) آذر سے کہا: کیا تم نے بتوں کو اپنے خداؤں کی حیثیت سے چنا ہے؟ میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں"

اور آیت نمبر ۷۶ میں صابئین سے آپ کا احتجاج ذکر ہوا ہے۔ لیکن جو مسئلہ یہاں

قابل توجہ ہے، یہ ہے کہ کیا ستارہ پرستوں سے آپ کا احتجاج صرف ملکوت کو دیکھنے کے نتیجہ میں ہے اور وہ بھی اس دلیل سے کہ یہ احتجاج آیت "وکذلک نری ....." کے بعد بیان ہوا ہے؟ یا آذر سے بھی ان کا احتجاج جو اس آیت سے قبل ذکر ہوا ہے ان ہی ملکوت کے نظارہ کا نتیجہ ہے؟۔

"کذالک نری" سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں احتجاجات ملکوت و اسرار کائنات کا نظارہ کرنے کا نتیجہ ہیں، کیونکہ "کذالک" آذر سے ان کے پہلے والے احتجاج کی طرف اشارہ ہے اور فعل مضارع "نری" اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں احتجاج جناب ابراہیم کو ملکوت کائنات کا نظارہ کرائے جانے کے بعد کے ہیں، جس طرح آیت "ونرید ان نمن ...." اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فضل وکرم کا سلسلہ اب بھی یوں ہی جاری ہے کیونکہ اگر یہ لطف ماضی سے مخصوص ہوتا تو اسے فعل ماضی میں بیان ہونا چاہئے تھا۔ پس قرآن کریم نے جناب ابراہیمؑ کے احتجاجات کی شکل میں جو کچھ نقل فرمایا ہے وہ انھیں ملکوت کا نظارہ کرائے جانے کا نتیجہ ہے، چاہے وہ سورۂ "انعام" میں ذکر ہوا ہو یا ان آیتوں میں جو ابراہیمؑ کے احتجاجات کی شکل میں سورۂ "بقرہ" میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا اس احتجاج میں جو کچھ بھی دلیل وحجت کے عنوان سے بیان ہوا ہے ایک یقینی امر ہے صرف خطابت، موعظہ اور نصیحت نہیں، جیسا کہ بعض مفسرین نے خیال کیا ہے

قرآن کریم اس برہان و دلیل کو بیان کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

"فلما جن علیہ اللیل رای کوکباً قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین"

جب رات کی (تاریکی) نے انھیں گھیر لیا تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا اور کہا: یہ میرا پروردگار ہے، لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا: میں غروب کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

تینوں اجرام فلکی ستارہ، چاند اور سورج کا مشاہدہ کرنے کے وقت "ربی"

کی تعبیر ان کی خوش کلامی اور بہترین مجادلہ کے عنوان سے ذکر کی گئی ہے اسی بنا پر اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین

اگر میرے رب نے میری ہدایت نہ کی ہوتی تو میں یقیناً گمراہوں کے گروہ میں ہوتا

یعنی جناب ابراہیمؑ اس جملہ کے بجائے یہ نہیں کہتے کہ: میں ہدایت یافتہ ہوں، اگر میرا خدا تمھاری ہدایت نہ کرے تو تم گمراہی میں پڑے رہو گے، کیوں کہ یہ خوش کلامی اور خوش خلقی کا انداز نہ ہو گا۔

الٰہی فیضان کی ضرورت

جناب ابراہیمؑ اس جملہ "لئن لم یھدنی ..." کے ذریعہ انھیں یہ سمجھا رہے ہیں کہ ان کا محبوب وہی پروردگار ہے نیز ہدایت اور ربوبیت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور ضلالت و گمراہی خود انسان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے فضول نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ (خدا) میری ہدایت نہ کرے تو مجھے گمراہ کر دے گا۔ انسان ہر حال میں الٰہی لطف و فیض کا محتاج ہے اور اگر اس فیض کا سلسلہ ٹوٹ جائے اور خدا بندے کو اپنے حال پر چھوڑ دے تو وہ گمراہی کا شکار ہو جائے گا۔ اسی بنا پر سورۂ فاطر کی آیت ۱۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

"یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ و اللہ ھو الغنی الحمید

اے لوگو! تم خداوند عالم کے محتاج ہو اور صرف خدا کی ذات وہ ہے جو بالذات غنی اور ستودہ صفات ہے"

فقیر لغوی اعتبار سے اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ریڑھ کی ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں اور اس میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو اسے ایسے شخص کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھائے۔ پس فقیر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس مادی امکانات یا سرمہ نہیں ہے۔ بلکہ خداوند عالم کی نسبت کائنات کے تمام موجودات ہر شئے کا وجود اور اس کی ہستی اسی خدا سے وابستہ ہے۔ لہٰذا اگر وہ انسان کو

اس کے حال پر چھوڑ دے اور اپنا لطف و فیض اس سے سلب کر لے تو انسان گمراہ ہو جائے گا اور اسی لمحے اس کی ضلالت و گمراہی شروع ہو جائے گی۔

مشرکین سے برائت

جناب ابراہیمؑ مشرکوں سے احتجاج و مناظرہ کے بعد ان سے اپنی برائت و بیزاری اور خداوند عالم کے تئیں اپنے اعتقاد و توجہ کا اظہار فرماتے ہیں:

اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا مُسْلِمًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ،،

میں نے خالص ایمان کے ساتھ اپنا رخ اس پروردگار کی جانب رخ کیا جو آسمانوں اور زمین کا خلق کرنے والا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ،،

"حنیف" یعنی وہ جو راہ کج سے بیچ میں چلتا ہے اور صراط مستقیم پر ہے اس کے برعکس "جنیف" ہے یعنی وہ جو راہ سے منحرف ہو جائے۔

ایمان، حبّ و بغض کے سوا کچھ نہیں

فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے محبت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

هَلِ الْاِیْمَانُ اِلَّا الْحُبُّ وَالْبُغْضُ ،، اصول کافی ج ۲ صفحہ ۱۲۵

کیا ایمان حبّ اور بغض کے سوا اور کچھ ہے ؟ ،،

انسان جو خدا کی بندگی کرتا ہے یہ محبت کی بنا پر ہے، لیکن محبت کے بھی درجے ہوتے ہیں۔ اگر اس کی معرفت اپنے آپ کے بارے میں اور اپنے خدا سے متعلق اعلیٰ درجہ کی نہ ہو تو وہ ایسی جنت میں داخل کیا جاتا ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اور اگر اس کی محبت اعلیٰ

درجہ کی ہو تو وہ ایسے لوگوں میں شامل ہوگا جن کے بارے میں کہا جائے گا "فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی" البتہ یہ جنت بھی ان جنتوں میں شامل ہوگی جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (جنّات تجری من تحتہا الانہار) ساتھ ہی اس سے بالاتر جنت لقاء کو بھی شامل ہے اور ایسا نہیں کہ اگر کوئی جنت لقاء تک رسائی حاصل کر لے تو "جنات تجری من تحتہا الانہار" سے محروم ہو جائے گا بلکہ جو اس مقام پر پہنچ جائے اس کے لئے دہری جنتیں ہیں "ولمن خاف مقام ربہ جنّتان"

جو لوگ خدا کے علاوہ کسی اور سے دل لگائے ہیں اور محبت رکھتے ہیں حقیقت میں ان کی محبت جھوٹی محبت ہے قرآن کریم اس سلسلہ میں فرماتا ہے۔

قُلْ اِن کان اٰبآؤکم وَ ابنآؤکم واخوانکم وازواجُکُم وعشیرتکم واموال نِ اقْتَرَفْتُمُوھا وتجارۃٌ تخشون کسادھا ومساکنُ ترضونھا احبَّ الیکم من اللہ و رسولہ وجہادٍ فی سبیلہ فتربّصوا حتّی یأتیَ اللہُ بامرہٖ. واللہ لا یَھدِی القومَ الفاسقین

سورۂ توبہ، آیۃ ۲۴

(اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے والدین، بیٹوں، بھائیوں بیویوں، عزیزوں، اپنے جمع کئے ہوئے مال اور تجارت جس کے خسارے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جن سے تم دل خوش کئے بیٹھے ہو، خدا اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ تمھیں عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ خدا کا حکم آپہنچے اور خدا فاسقوں کی ہدایت نہیں کرے گا"

اور سورۂ حج، آیت ۱۱ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ومن النّاس مَن یعبُدُ اللہَ علیٰ حَرْفٍ فاِنْ اصابہ خیرٌ ن اطْمَأنّ بہ واِنْ اصابَتْہُ فتنۃ نِ انْقَلَبَ علیٰ وجہہ خَسِر الدّنیا والآخرۃ ذالک ھو الخسران المبین

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی عبادت صرف زبان سے اور ظاہری طور پر کرتے ہیں درحقیقت نہیں۔ پس جب بھی کوئی خیر (نیکی دان تک) پہنچتی ہے تو انھیں اطمینان خاطر حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی بلا و مصیبت ان پر آتی ہے تو وہ خدا کے دین سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسا شخص دنیا و آخرت

میں نقصان اٹھانے والا ہے اور وہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

ایسا شخص دین اور خدا کو اپنے جھوٹے محبوبوں تک پہنچنے کی غرض سے چاہتا ہے اور اس کی سزا بھی وہی ہے جس کا مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہے " فتربصوا حتیٰ یاتی اللّٰہ بامرہ "، پس انتظار کرو یہاں تک کہ اس کے بارے میں اللہ کا حکم آجائے۔ ایسا شخص درحقیقت دیندار نہیں ہے۔ اسی لیے سورۃ مجادلہ " میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوماً یُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ وَالْیَومِ الآخِرِ یُوَآدُّونَ مَن حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُولَہ وَلَو کَانُوٓا آبَآءَھُم اَو اَبنَآءَھُم اَو اِخوَانَھُم اَو عَشِیرَتَھُم سورۂ مجادلہ، آیۃ ۲۲

" تم ان لوگوں کو ہرگز ایسا نہیں پاؤ گے جو خدا اور روز قیامت پر ایمان لائے ہیں خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کریں چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے، بھائی ہوں یا اہل خاندان "

امرِ الٰہی میں زمان کی قید نہیں

ان آیات اور صادق آل محمدؑ کی اس روایت سے جس میں ایمان کو محبت قرار دیا گیا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ مومن وہ ہے جس کے دل میں اللہ کی سچی محبت ہو ایسی صورت میں وہ جس قدر محبت کا حامل ہے اسی قدر ملکوت سے بہرہ ور ہوا ہے اور یہ وہی مومن ہے جس نے ملکوت کا مشاہدہ کر کے ابراہیمؑ کی راہ طے کی ہے۔ ہر وجود کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے سب دیکھتے ہیں اور ایک باطن ہے جسے سب نہیں دیکھ پاتے چاہے خود اسے دیکھ لیں اور بعض افراد ممکن ہے باطن بھی دیکھ لیں جیسے جناب ابراہیمؑ اور ایک گروہ نے بھی دیکھا لیکن جو کچھ جناب ابراہیمؑ نے دیکھا ہے اسے نہ دیکھ پائیں۔ اور شاید سورۃ " یٰسٓ "، جسے فریقین کے مطابق حضرت رسول خداؐ نے قلب قرآن کا نام دیا ہے، انہی دو آخری آیتوں کی بنا پر قلب قرآن قرار پایا ہے جس میں ارادہ اور امر الٰہی کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون "

پس پاک و منزہ ہے وہ خدا جس کے دست قدرت میں ہر چیز کا باطن و ملکوت ہے اور تمام خلائق کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔"

یہ خطاب (کن فیکون) تشریعی خطابات یعنی (یا ایہا الذین آمنوا) کے مانند نہیں ہے جن میں خطاب، مخاطب کے وجود کی فرع ہوتا ہے۔ اعتباری و تشریعی خطابات میں پہلے مخاطب کا وجود ضروری ہے، لیکن تکوینی خطاب خود مخاطب کو خلق کرتا ہے۔ البتہ تشریعی خطاب میں یہ بھی بحث درپیش ہے کہ یہ خطاب بھی ان افراد کو شامل ہے یا نہیں جو ابھی موجود نہیں ہیں اور بعد میں پیدا ہوں گے۔ بہر حال خطاب کی صورت میں مخاطبین خارج میں موجود رہتے ہیں لیکن (کن) کے حکم سے بلافاصلہ (یکون) وجود میں آتا ہے۔ (انما امرہ اذا اراد شیأ ان یقول لہ کن فیکون) اس خطاب سے مخاطب خلق ہوتا ہے چنانچہ بعد کی آیت اس آیت کی نوعیت بیان کرتی ہے جس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت " امرالله" یعنی اسمی "کن" کی توجیہ کرتی ہے کہ یہ ایسا امر ہے جو خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس میں زمانہ کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ اس کے ارادے سے وہ شئے وجود میں آتی ہے جو " ملکوت کل شئی " یعنی ہر شئے کی کنہ و حقیقت ہے اگر آپ دیکھتے ہیں کہ آیت شریفہ میں ہے " وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام" (فصلت ۱۰) خداوند عالم نے لوگوں کی روزی چار دنوں، چار فصلوں یا چار مرحلوں میں مقدر و معین فرمائی جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف سے ظاہر ہے۔ اس سلسلہ میں یہ تدریجی تقدیر اس لئے ہے کہ عالم، ملک ہے اور اس میں زمانہ پایا جاتا ہے، لیکن امر الٰہی میں زمانہ کی قید ہی نہیں ہے" لیس عند ربک صباح ولا مساء" جس شخص نے بھی اس چہرہ (ملکوت) کو جو خدا کے ہاتھ میں ہے دیکھا ممکن نہیں کہ وہ صاحب "ید" کو نہ دیکھے اگر جناب ابراہیمؑ نے ملکوت کا مشاہدہ کیا" وکذلک نری ابراہیم ملکوت السماوات والارض" تو انھوں نے صاحب "ید" کا بھی مشاہدہ کیا جو خود پروردگار ہے۔

جو شخص علم حصولی و علم استدلالی کے ذریعہ تمام اشیاء کے سلسلہ میں بحث کرتا ہے، یا وہ متکلم ہے اور حدوث و حرکت کے ذریعہ استدلال کرتا ہے، یا اہل حکمت ہے اور امکان و حرکت کے ذریعہ بحث شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: یہ چیز حادث ہے اور

ہر حادث کے لئے ایک محدث کی ضرورت ہے یا متحرک ہے اور اس کے لئے ایک محرک ضروری ہے یا ممکن ہے اور ایک واجب الوجود کا محتاج ہے وغیرہ کیوں کہ اس نے صرف اسی چیز کو دیکھا ہے اور اگر وہ خدا سے اس چیز کے تعلق کے پہلو کو بھی دیکھ لے تو علم حصول کے لئے اس قسم کے استدلال کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ وہ "خلق ید" کو یقیناً دیکھ لے گا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہر شئے کے ملکوت کا مشاہدہ "اللہ" کے مشاہدہ سے جدا ہو۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ذعلب یمانی کے اس سوال پر کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ فرماتے ہیں "افاعبد مالا اریٰ[1]" کیا میں اس خدا کی عبادت کرتا ہوں جسے نہیں دیکھتا؟ شیخ طبرسی نے اس قول کو اپنی کتاب "الاحتجاج" میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ دیکھنا آنکھوں کے ذریعہ میسر نہیں ہے:

لا تدرکہ العیون بمشاھدۃ العیان ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان ،،

اسے ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ دلوں کی نگاہیں ایمان کے حقائق کے ذریعہ اس کا مشاہدہ کرتی ہیں ،،

جناب ابراہیم کا برہان، برہان حرکت نہیں

ہر حال برہان جناب ابراہیمؑ، برہان حرکت نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ برہان حرکت ہوتا تو محبت کا مسئلہ نہیں اٹھایا جاتا۔ انسان روشنی کی ضرورت محسوس کرتا ہے، وہ چاند سورج اور ستاروں کی عبادت اسی سبب سے کرتا ہے کہ وہ اس کی زندگی کی فضا کو روشن و منور کرتے ہیں، لیکن جب جناب ابراہیمؑ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک غروب کرتا ہے نیز ان کے اور انسان کے درمیان کا رابطہ یعنی ان کا نور، ان کے غروب کرنے سے ختم

۱۔ نہج البلاغہ، شیخ محمد عبدہ ص ۳۸۳

ہو جاتا ہے تو فرماتے ہیں "لا احب الآفلین"، جو چیز غروب کرتی ہے اور اس غروب کے ذریعہ اس کا فیض منقطع ہو جاتا ہے، وہ انسان کی محبوب نہیں ہو سکتی اسی وجہ سے وہ خدا بھی نہیں ہے۔

یہ وہی برہانِ فطرت ہے جس میں بندہ کی جانب سے محبوب کی طرف فطری کشش پائی جاتی ہے۔ انسان جو محتاج ہے وہ ایک ایسے مبداء کو دوست رکھتا ہے جو ہر حال میں اس کی ضرورتیں پوری کرے۔ اس نے یہ چیز کسی سے سیکھی نہیں ہے، نہ کسی مدرسہ میں اس کی تعلیم حاصل کی ہے اور یہ ایک قرار دادی و طے شدہ مسئلہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ محبت ہے، ایک باطنی کشش، جس کا سرچشمہ اس کی ضرورتیں اور احتیاجات ہیں۔ البتہ جس قدر یہ شناخت و معرفت بڑھتی جائے گی اور کامل ہوتی جائے گی اتنی ہی یہ باطنی محبت بڑھتی جائے گی کبھی اس کی ضرورت زندگی کی عام اور معمولی احتیاجات تک محدود رہتی ہے ایسی صورت میں محبت بھی اسی دائرہ میں محدود رہتی ہے۔ اگر وہ خدا کو دوست رکھتا ہے تو زندگی کی ان ہی معمولی ضرورتوں کی تکمیل کی حد تک دوست رکھتا ہے، اور کبھی انسان ایسے روحی و ایمانی کمال کے مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے کہ خدا کو کمال محض یا کمال مطلق ہونے کی حیثیت سے چاہتا ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام ایک سال فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ تشریف لے گئے تھے، لوگوں نے حضرت سے عرض کیا: امسال خلیفہ مکہ آرہا ہے، بہتر ہے کہ آپ کا باغ جو مدینہ میں غصب کر لیا گیا ہے اس کے سلسلہ میں اس سے گفتگو کر لیجئے! امام نے فرمایا: مجھے شرم آتی ہے کہ خدا کے گھر کے نزدیک کسی اور سے کچھ مانگوں۔

جان فدائے محبوب

انسان جب اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو خود کو بھی خدا کے لئے چاہنے لگتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ضرورت پڑتی ہے تو اپنی جان بھی مرضی پروردگار کی راہ میں خدا کو دیتا ہے۔ سورۂ توبہ میں آیا ہے:

ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلّفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ" (آیت/۱۲۰)

بہتر نہیں ہے کہ اہل مدینہ اور اس کے اطراف کے رہنے والے پیغمبر اسلام ص کے حکم سے سرتابی کریں اور اپنی جان بچانے میں ان (کی جان) سے چشم پوشی کرلیں،،

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

فاذا حضرت بلیۃ فاجعلوا اموالکم دون انفسکم و اذا انزلت نازلۃ فاجعلوا انفسکم دون دینکم ...،،

جب کوئی بلا نازل ہو تو اپنے مال کو اپنی جان کا سپر بنا دو اور جب کوئی ایسا حادثہ درپیش ہو کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر اسلام بچا سکتے ہو تو اپنی جان اپنے دین پر فدا کردو،،

کیوں کہ در اصل انسان کا حقیقی محبوب خدا ہے اور دین چونکہ خدا کی جانب سے ہے اس لئے وہ بھی انسان کا محبوب ہے لہٰذا جب بھی دین کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو مال، جان، خاندان اور ہر وہ چیز جسے انسان دوست رکھتا ہو اسے فدا کر کے دین بچا لینا چاہئے۔ اور جس کے دل میں ایسی محبت نہیں ہے گویا اس نے ملکوت کا مشاہدہ نہیں کیا اور اس کی نگاہ اسے دیکھنے سے عاجز ہے

من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا (اسراء/۷۲)

جو شخص دنیا میں (اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے سے عاجز و) نابینا ہو وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہوگا،،

لیکن چونکہ وہ دنیا میں خود کو بینا اور آنکھوں والا سمجھتا ہے لہٰذا آخرت میں اعتراض کرے گا قال رب لم حشرتنی اعمیٰ و قد کنت بصیرا،، خداوندا! مجھے تو نے اندھا کیوں محشور کیا ہے، جبکہ میں دنیا میں آنکھوں والا تھا؟" قال کذالک اتتک آیاتنا فنسیتہا وکذالک الیوم تنسیٰ،، (طٰہٰ آیت ۱۲۵) خداوند عالم اس سے فرمائے گا" ہاں ایسا ہی ہے جب ہماری آیتیں تیری ہدایت کے لئے آئیں تو تو نے انھیں فراموش کردیا یوں ہی آج تو فراموش کردیا گیا۔

ملکوت کا دیکھنا ممکن ہے

اس بنا پر ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکوت کا مشاہدہ سب کے لئے ممکن ہے

اور جسے اس کی توفیق حاصل ہو جائے وہ ان لوگوں کی صف میں ہوگا جس کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے: ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ ... (آل عمران/۶۸) ابراہیمؑ سے نزدیک ترین لوگ وہ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں، یعنی ایسے شخص نے جناب ابراہیمؑ کی راہ طے کی ہے اور اگر اس نے عالم ملکوت کو نہیں دیکھا تو وہ ان لوگوں کی صف میں ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں نابینا رہیں گے، کیونکہ وہ ایسا دن ہے جب لوگ اپنی حقیقی سیرت پر محشور کئے جائیں گے "یوم تبلی السرائر"، ہماری بصیرت بھی وہیں ظاہر ہوگی علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں آیت شریفہ "فتأتون افواجاً" کے ذیل میں حضرت رسول خداؐ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ قیامت میں کچھ انسان حیوانوں کی شکل میں محشور کئے جائیں گے بعض لوگ وہاں چیونٹی کی شکل میں آئیں گے کیوں کہ دنیا میں ان کی سیرت چیونٹیوں جیسی تھی یعنی وہ حریص، لالچی اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے تھے، بعض سور کی شکل میں محشور ہوں گے کیوں کہ ان کی سیرت سوروں جیسی تھی اگرچہ وہ انسان تھے۔ البتہ سور خود ایک جانور ہے جس پر عذاب نہیں ہوگا لیکن یہ شخص جو سور کی شکل میں محشور ہوا ہے اصل میں انسان تھا اور اپنی انسانی حقیقت کو رکھتے ہوئے سور ہوا ہے۔ اس پر عذاب ہوگا۔ کچھ لوگ قیامت میں دیوانے محشور کئے جائیں گے کیوں کہ وہ دنیا میں سود خور تھے "الذین یاکلون الربا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس ..." (بقرہ/۲۷۵) جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت میں) نہیں اٹھائے جائیں گے مگر اس شخص کے مانند جو شیطان کے وسوسہ و فریب میں آکر دیوانہ ہو گیا ہو۔

البتہ جو شخص دنیا میں دیوانہ ہو جاتا ہے چونکہ کچھ نہیں سمجھتا، لہٰذا اسے رنج نہیں ہوتا لیکن وہاں ایسا نہیں ہے وہاں وہ سمجھتا ہے کہ دیوانہ ہو گیا ہے، چیونٹی، سور، بندر یا کسی اور جانور کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے لہٰذا اسے رنج ہوتا ہے اسی لئے وہ سزا کے طور پر اسی صورت میں محشور کیا جائے گا یعنی اس کا تمام وجود جو روح اور بدن کا پیکر تھا یوں ہی محفوظ ہے فقط اس کی ظاہری شکل تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ اس کے دنیاوی اعمال ہیں جو اسے اس شکل و صورت میں ڈھال دیتے ہیں۔

انقلاب سے پہلے

ایرانی معاشرے میں مسجدوں کا کردار

شہید ڈاکٹر محمد جواد باہنر

ترجمہ: جناب سید احتشام عباس زیدی

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے ان چند برسوں میں اور خاص طور سے ادھر ایک دو برسوں میں مسجدوں نے انقلاب کو بارور کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور آپ میں سے خاص کر وہ افراد جو گزشتہ بیس برسوں کی یاد اپنے ذہنوں میں تازہ کر سکتے ہیں، جانتے ہیں کہ ہم ان بیس برسوں میں جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے مسجدیں بارونق ہوتی جاتی تھیں اور مجلسوں و محفلوں میں جوانوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔

مجھے نہیں بھولتا کہ جب پچیس برس پہلے ہم یونیورسٹی میں قدم رکھتے تھے تو ایک پردہ دار طالبہ بھی نظر نہیں آتی تھی اور اگر گنتی کی دو ایک دکھائی بھی پڑتی تھیں تو بظاہر اس پر شرمندہ ہوتی تھیں کہ دوسروں کے سامنے پردے کے ساتھ کیسے جائیں یا اگر کوئی جوان نماز پڑھنا چاہتا تو شرماتا تھا، اکثر وہ اپنی نماز قضا ہوتے دیتا تھا یا کبھی کسی گوشے میں چھپ کر آہستہ نماز پڑھ لیا کرتا، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج پچیس سال بعد اسلامی تبلیغات نیز ہمارے عزیز لڑکوں، لڑکیوں، اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کا رجحان اسلام کی طرف اس قدر زیادہ ہو گیا کہ ان چند برسوں

میں یونیورسٹیوں کے ہالوں، اور دوسرے شہروں میں تفسیر قرآن، تبلیغ اور دوسرے اسلامی موضوعات سے متعلق جلسوں میں جوانوں کی کثیر تعداد شرکت کرنے لگی۔ آپ تبلیغات اور اسلامی تعلیمات کی اہمیت کو نظر انداز نہ کریں، مسجدوں نے نسل جوان اور اس انقلاب کو بار ور کرنے میں بڑا حساس کردار ادا کیا ہے۔

ہم نے گزشتہ پندرہ برسوں میں کتنی کوششیں کیں کہ مسجدوں کے کتبخانے جوانوں کے لئے قابل مطالعہ کتابوں سے پُر ہوں تاکہ مسجدوں میں دائر ہونے والی تفسیر، عقائد، عربی اور قرآن کی آزاد کلاسیں جوان طلبہ و طالبات کو جذب کرنے کے لئے آمادہ ہوں کتنی کوشش کی جاتی تھی کہ ایسے بڑے بڑے تقریری اجتماعات برپا کئے جائیں جن میں عام اور سادہ زبان میں جوانوں کو قرآن و اسلام کی تعلیم دی جائے، وہی تبلیغات وہی مذہبی کتابیں وہی مجمع سے بھرے ہوئے ہال اور مسجدوں کا وہی گرما گرم ماحول، ان سب نے ہمارے جوانوں میں جان ڈالی اور ان کی تربیت کی۔ انقلاب کی کامیابی کے آخری برسوں میں ہمیں نظر آتا تھا کہ جیسے ایک نئی نسل جو پہلے نہیں تھی وجود میں آگئی ہے، جس کی ہمیں پہلے آرزو تو تھی لیکن اس کی عملی شکل نظر نہ آتی تھی۔ پہلے جب ہم مسجدوں میں جاتے تھے تو وہاں چند بوڑھے افراد نظر آتے تھے۔ آج مسجدیں جوانوں سے چھلکتی ہیں۔

خواتین پر اسلامی تعلیمات کا اثر!

تقریباً بیس سال پہلے ہماری یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ چند پڑھی لکھی اور یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ ایسی خواتین مل جائیں جو دین سے لگاؤ رکھتی ہوں، انھیں کسی جگہ جمع کر کے اسلامی تعلیمات سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ عورتوں میں بولنے اور تقریر کرنے کے لئے آمادہ ہو سکیں اسکولوں میں جائیں، درس دیں اور کلاسیں چلائیں ہم نے پورے تہران کا چکر لگایا اور بڑی مشکلوں سے ایسی چودہ خواتین کو ڈھونڈ نکالا جو پڑھی لکھی ہونے کے ساتھ دین سے لگاؤ بھی رکھتی تھیں اور عقائد و تفسیر کے جلسوں میں شرکت پر بھی آمادہ تھیں ہم نے بڑے حوصلہ کے

ساتھ ان ہی خواتین کے ساتھ متعدد جلسے رکھے تاکہ وہ خود بھی تبلیغ کے لئے آمادہ ہوں اور دوسری عورتوں کو بھی اپنے رنگ میں ڈھالیں۔ ان عورتوں نے جا بجا جگہ جگہ تبلیغ و تربیت کی اور عوراتوں کو دیندار بنایا۔ آج بیس سال بعد ہم کو ایسے عظیم اجتماعات نظر آرہے ہیں جن میں قرآن اور دین سے والہانہ لگاؤ رکھنے والی ہزاروں مسلمان لڑکیاں شرکت کرتی ہیں، آج ہم ایسے عظیم مظاہروں کے شاہد ہیں جن میں لاکھوں مسلمان مرد اور عورتیں ایک ہی دینی جذبہ اور مقصد کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔

مجھے یہ بات نہیں بھولتی کہ انقلاب کی کامیابی کے چند ماہ بعد آزادی پسند تحریکوں کے افراد جو ہم سے ملاقات اور انٹرویو کے لئے آیا کرتے تھے ان ہی میں فلسطینی بھائیوں کا ایک وفد بھی تھا۔ انھوں نے اپنی گفتگو کے دوران کہا: آپ کے انقلاب نے دنیا کے انسانوں کو سکھا دیا کہ پردے دار عورت بھی انقلاب لا سکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے یہ بات گزشتہ انقلابات کی تاریخ میں نہیں پائی، لیکن آپ کے انقلاب نے یہ بتا دیا کہ عورت اپنی عفت اور اپنے حجاب کو محفوظ رکھتے ہوئے اللہ اور اسلام کے نام پر "اللہ اکبر" اور "لا الٰہ الا اللہ" کے پیغام سے انقلاب کی عظیم لہر برپا کر سکتی ہے آپ کے انقلاب نے دوسرے بہت سے سبق کے ساتھ یہ سبق بھی ہمیں سکھایا ہے۔

تنبیہ

انقلاب کی کامیابی کے بعد ایک عرصہ تک ہمارے جوان، عوام حتیٰ ائمہ جماعت حضرات بھی مسجد سے باہر کے مسائل میں سرگرم تھے۔ مختلف قسم کے نگرانی و حفاظت اور اجرائی کاموں میں مشغول اور حکومت کی موجودہ ذمہ داریوں میں پھنس گئے نتیجہ میں مذہبی جلسے اور تقریریں کم ہو گئیں، تبلیغات رک گئیں اور مسجدیں آنے والوں کی تعداد گھٹنے لگی یہ بات ہمارے لئے قابل افسوس ہے۔

انقلاب کی کامیابی سے پہلے طاغوت مسجدوں کو خالی کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا

اور ہم اسنۂ امت کے ساتھ مسجدوں کو آباد رکھتے تھے، دشمن ہماری موثر تقریروں پر پابندی لگاتا تھا اور ہم تقریریں کیا کرتے تھے وہ ہمیں اس جرم میں جیلوں میں ڈالتا اور ہم باہر نکل کر پھر تقریروں اور مذہبی اجتماعات کا بازار گرم کرتے تھے ۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد جب اسلامی جمہوری نظام قائم ہو گیا، تو ہمیں قرآن کی کلاسوں اور اسلامی جلسوں میں اضافہ کرنا چاہئے تھا ۔ لیکن افسوس ان کا سلسلہ کم ہو کر پریشانی کا باعث ہوا لہٰذا ضروری تھا کہ اسلامی انقلاب کے رہبر امام خمینیؒ ـــ جو انقلاب کی راہ میں کسی بھی طرح کی کجی، کندی، یا ٹھہراؤ کو دیکھ کر آگاہ اور یاد دہانی کرتے تھے ـــ لوگوں کو آگاہ کریں اور امام امتؒ جیسے عظیم اور مثالی رہبر کی خصوصیت بھی یہی ہے چنانچہ جیسے ہی انھوں نے محسوس کیا کہ حکومت کے ذمہ دار اور نگہداں رہے ہیں تعمیر نو اور ادارات کے تصفیہ کا مسئلہ کھٹائی میں پڑا جا رہا ہے، کام کم اور غفلت کا رواج بڑھ رہا ہے ۔ ابھی طاغوتی آثار پائے جاتے ہیں اور فاسد افراد سازمانوں اور اداروں میں موجود ہیں، اگر اس روش کو روکا نہ گیا تو ممکن ہے کچھ عرصہ کے بعد جب دوبارہ آنکھ کھلے تو پھر وہی فاسد افراد اور وہی حکومت نظر آئے لہٰذا آپ نے اچانک ایک انقلابی پیغام کے ذریعہ اس روش پر ایک کاری ضرب لگائی اور گمراہ ہوتے ہوئے معاشرہ کو دوبارہ صراط مستقیم کی طرف موڑ دیا حکومت کی ذمہ داریوں کو بیدار کیا ۔ اداروں کو چونکایا، عوام کو آمادہ کیا نتیجہ میں حکام تیزی سے حرکت میں آئے اور اداروں میں تصفیہ و تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔

یا جب امام خمینیؒ نے محسوس کیا کہ (منافقوں کے) ٹولے اپنے گمراہ کن پروپیگنڈوں کے ذریعہ رفتہ رفتہ انقلاب کی صف میں شگاف ڈال رہے ہیں اور معاشرہ کو اسلام یا عوام کے نام پر گمراہ کر رہے ہیں تو آپ نے ایک تنبیہ کے ذریعہ اچانک غفلت کے پردے چاک کر دیئے، عوام کو بیدار کر کے انھیں سیدھی راہ پر لگا دیا اور لوگوں کو دائیں بائیں بازو کی طرف جھکنے سے بچا لیا ۔ یہ دائیں اور بائیں بازو کے رجحانات اپنے ظاہری خوشنما چہروں کے ساتھ اکثر ہمارے انقلاب کے سامنے آتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ امام خمینیؒ کی جیسی قیادت و رہبری ہر حال میں انقلاب اور اسلام کی اصل راہ کو روشن و درخشاں رکھے ۔

اسلامی تعلیمات کو رائج کرنے کی ضرورت

ایک مسئلہ جسے امام خمینیؒ نے محسوس کیا اور اپنی ملاقات کے دوران جسے رنجیدہ انداز میں بیان بھی فرماتے تھے، یہی تھا کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد جب کہ تبلیغات زیادہ ہونا چاہیئے، اسلامی کتابیں زیادہ رائج ہونا چاہئیں مسجدیں زیادہ آباد ہونا چاہئیں، اسلامی تعلیمات سے متعلق کلاسیں زیادہ دائر ہونا چاہئیں، یہ لوگ یک بیک اپنے دنیاوی کاموں میں ہی کیوں مشغول ہو گئے یا دوسرے انقلابی کاموں اور جہاد سازندگی وغیرہ میں لگ گئے اور مسجدیں خالی ہو گئیں؟ لہٰذا امام خمینیؒ نے ایک بار پھر لوگوں کو بیدار کرنے والا پیغام دیا نتیجہ میں مسجدیں ایک بار پھر چمکنے لگیں۔

یہاں میں خود مسجد کے سلسلہ میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ائمہ جماعت، علماء اور وہ تمام افراد جو قرآن اور دوسرے اسلامی مسائل کی تعلیم دینے کے لئے کلاس تشکیل دے سکتے ہیں اور مسجد کے کتب خانوں کو بارونق بنا سکتے ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لڑکوں، لڑکیوں، چھوٹوں، بڑوں سب کے لئے دینی کلاسیں تشکیل دیں اس میں نہ خرچ ہے اور نہ بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ جاہل و ان پڑھ افراد کو باسواد بنایا جائے اور اس سے بھی آگے بڑھ کے قرآن کی تعلیم، قرائت اصول و عقائد اور تمام اسلامی احکام و مسائل کی تعلیم دی جائے۔ خوش قسمتی سے اہل علم اور علماء دین ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں جو اس کام کو انجام دے سکتے ہیں اور لوگوں کو اپنے علاقہ کی مسجدوں، مدرسوں اور اسکولوں میں اکٹھا کر سکتے ہیں۔ گرمی کی چھٹیوں میں ہم اپنے بچوں کو دینی تعلیم اور اخلاق کے ساتھ مختلف فنون کی تربیت بھی دے سکتے ہیں اور انھیں ٹیلرنگ ویلڈنگ، کٹنگ، بجلی کے کام اور اپنے ہی دوسرے کام بھی سکھا سکتے ہیں۔ کوشش کرنا چاہیئے کہ ہمارے کتب خانے کتابوں سے بھرے ہوں۔ یہ اسلام اور ایمان کا سرچشمہ تھا جس نے ہمیں کامیابی سے ہمکنار کیا، ہمیں اسے بھولنا نہیں چاہیئے، ہمیں زیادہ سے زیادہ اسلام سے آگاہی حاصل کرنا چاہیئے۔

زیادہ سے زیادہ مطالعہ

آپ کتاب کے مطالعہ ہی کو لے لیجئے۔ اگر آپ چوبیس گھنٹے میں صرف بیس منٹ مطالعہ کریں تو گویا آپ نے ایک سال میں ۳۶۰۰ صفحات کا مطالعہ کر لیا یعنی تقریباً ۱۸۰ صفحہ کی بیس کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اور اگر روزانہ ایک گھنٹہ مطالعہ کریں تو آپ سال میں دو سو صفحہ کی تقریباً پچاس کتابیں پڑھ سکتے ہیں پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ مطالعہ آپ کے لئے کتنا بابرکت اور مفید ہے اور آپ کی معلومات میں کتنا اضافہ کرتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں کتاب خانوں کو زیادہ سے زیادہ غنی بنانا چاہئے۔

انقلاب اور اس کے ثمرات کا جائزہ

انقلاب اور اس کے ثمرات و نتائج کے سلسلہ میں مختلف نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔ ہر طبقہ اپنے اقدار و معیار کے اعتبار سے انقلاب کا تجزیہ و تحلیل کرتا ہے۔ کوئی انقلاب کو اپنے اقتصادی نظریات کے مطابق دیکھتا ہے کہ اس عظیم الشان اسلامی انقلاب نے زراعت و صنعت اور کارخانوں کے فروغ نیز عوام میں دولت کی عادلانہ تقسیم میں کہاں تک خدمت کی اور کامیابی حاصل کی ہے۔ ایک گروہ فوجی نقطۂ نظر سے اسلام کا جائزہ لیتا ہے اور انقلاب کے بعد معاشرہ کی رہی سہی طاقت کو — چاہے کلاسیکی اور رائج جنگی توانائی کے پہلو سے ہو یا عمومی جنگی منصوبہ سازیوں کے اعتبار سے ہو — فوجی و نظامی عینک سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے ہر گروہ اپنے خاص نقطۂ نگاہ سے انقلاب سے متعلق بحث و گفتگو کرے۔

ان میں سے ایک نظریہ ان تغیرات کا بھی جائزہ لیتا ہے جو اسلامی انقلاب نے لوگوں کے افکار و خیالات، ان کی خصلتوں، عادات اور اخلاقیات میں، اقدار و معیارات کے

نقطۂ نظر سے پیدا کر دیتے ہیں۔ اتفاق سے اسلام تحول و انقلاب کے ذریعہ لوگوں کی شخصیت میں بنیادی دگرگونی اور تبدیلی لاتا ہے یعنی پہلے وہ لوگوں کو انقلابی مسلمان اور دیندار بناتا ہے اور جب یہ چیز ان کے باطن اخلاق اور روح میں پیدا ہو گئی تو معاشرہ کے اجتماعی، اقتصادی، فوجی اور سیاسی نظام میں بھی تغیر آجائے گا۔

انقلاب کی کامیابی کا سب سے اہم سبب

آپ کی نگاہ میں اس قول کے عظیم انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کا سب سے اہم سبب کیا تھا؟ لوگوں کے اخلاق و عادات اور افکار و نظریات کی تبدیلی کا اس کامیابی میں کتنا ہاتھ رہا ہے؟ میری نگاہ میں پہلے انسان ڈھلے گئے مومن ہوئے ان کی فکریں بدلیں، ان میں اخلاقی و فکری بلوغ پیدا ہوا۔ معاشرہ میں نئے تہذیبی و ثقافتی اقدار وجود میں آئے اس کے بعد اس ڈھلی ہوئی اور اپنے مقدرات کا خود فیصلہ کرنے والی اس قوم کے زیر سایہ ــــ جس میں طاقت اور جوش و جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا گیا تھا ــــ انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

عوام جو سالہا سال سے غفلت کا شکار رہے اپنی سماجی سرنوشت کے سلسلہ میں ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے تھے، اسلام کو فقط مسجدوں اور عبادت گاہوں تک محدود جانتے تھے، دین کو سیاست سے جدا سمجھتے تھے علماء کی ذمہ داریوں کو سیاسیات سے الگ سمجھتے تھے ان ہی لوگوں نے اسلام کی خلاق تحریک اور امام خمینیؒ کی فیصلہ کن قیادت و رہبری میں ۱۳۴۱ھ ش و ۱۳۴۲ھ ش اور تحریک کے عروج یعنی ۱۵ خرداد ۱۳۴۲ھ ش سے اسلام کو اچانک اس عنوان سے سمجھا جیسے خود پیغمبر اکرمؐ سے حاصل کیا ہو، اور یہ سمجھ لیا کہ اسلام اور دین، سیاست سے جدا نہیں ہے علماء اور دیندار سیاست سے الگ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ معاشرہ، امت کی سرنوشت، تاریخی تحریکوں، زمینی و اقتصادی ذخائر، فوجی مسائل اور سیاسی نقل و حرکت سے متعلق اپنی ذمہ داریاں اور فرائض رکھتے ہیں اور سماج

کے روبرو اپنے فرائض سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

آپ لوگوں میں سے جو مُسن ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس دوران جب اسلامی تحریک اور علماء کے اندر رفتہ رفتہ ایک تشکّل وجود میں آرہا تھا، بہت سے لوگ یہ تصور کرتے تھے کہ علماء اور دیندار افراد کی سیاسی و اجتماعی مسائل میں مداخلت ہی سرے سے جرم ہے اور ایسا کوئی فریضہ علماء پر عائد ہی نہیں ہوتا۔ علماء کا فریضہ صرف مسائل بیان کرنا اور لوگوں کو غسل و وضو کی تعلیم دینا ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ اسلامی مقرّروں اور خطیبوں کا کام موعظہ کرنا، معمولی اخلاقیات بیان کرنا اور مصائب حسینؑ پڑھنا ہے اور اگر کوئی خطیب یا عالم سیاسی مسائل میں کچھ کہنا چاہتا تھا یا کوئی بیان صادر کرنا چاہتا تھا یا کوئی اقدام کرنا چاہتا تھا تو بعض لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ اپنے اصلی فرائض کی خلاف ورزی کر رہا ہے جیسی ماضی میں لوگ مراجع تقلید کی سیاست میں مداخلت کو مرجعیت اور اس کی روحانی شان کے خلاف جانتے تھے۔ ہم بعد میں سمجھے کہ جو لوگ سیاست میں علماء کے مخالف ہیں یہ وہ ہیں جو دانستہ یا نادانستہ طور پر بڑی طاقتوں اور استعماریوں کی سازشوں کے ذریعہ اپنے تسلط کے لئے ماحول سازگار بنانا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ جو لوگ علماء کو معاشرہ کے میدان سیاست میں اترنے نہیں دینا چاہتے، وہ چاہتے ہیں کہ معاشرہ سماج کے طبیعی ذخیرے اور امت و قوم کی اجتماعی طاقت، بڑی طاقتوں یا ملکی و غیر ملکی استعماریوں کے اختیار میں ہو کہ وہ پورے سماج اور قوم کو دوسروں کے لئے "تر نوالہ" بنا ڈالیں۔

لیکن ان غلط افکار و خیالات سے ٹکّر لی گئی اور اس طرز فکر سے مقابلہ کیا گیا۔ بیدار اور ذمہ دار علماء و روحانیون نے اقدام کیا اور اپنے خلاف اس طرح کی شدید رکاوٹوں کے باوجود استقامت کا ثبوت دیا اور کہا کہ سیاست میں مداخلت ہمارا فریضہ ہے۔ سیاست عین اسلام ہے اور اسلام عین سیاست ہے۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان رہ کر خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہیں کہ ہمارے زمینی ذخائر، ہماری دولت و ثروت، استعماری لوٹنے لئے جا رہے ہیں۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ معاشرہ کے روحانی

قائد و رہبر ہم رہیں لیکن معاشرہ کی تقدیر دوسروں کے ہاتھوں لکھی جائے اور ہمارا معاشرہ خواب غفلت میں مبتلا رہے، اجتماعی و اقتصادی طور سے پسماندہ رہے اور عالمی استبداد و استکبار کی چراگاہ بنا رہے۔ چنانچہ علما ڈٹے رہے اور آواز بلند کرتے رہے۔ ابتداء ایک دو چار مسجدوں سے ہوئی، رفتہ رفتہ مسجدیں سیاسی مداخلتوں، مقابلوں اور عظیم سیاسی و اجتماعی جد و جہد کا مرکز بن گئیں۔ دینی مدارس اور حوزۂ علمیہ ساز شکاروں اور استعماریوں کے خلاف عوامی استقامت کے مرکز بن گئے۔ حوزات علمیہ اور دینی مدرسوں میں جہاد اور مقابلہ کے سبق پڑھائے جانے لگے، سیاسی اور اجتماعی سرنوشت میں مداخلت کے درس دیئے جانے لگے۔

نتیجہ میں یہ نئی تہذیب ہمارے سماج پر چھا گئی اور خالص اسلامی روح بیدار ہو گئی، وہی روح کہ پیغمبر اسلام مدینہ میں مسجد کے پہلو بہ پہلو جنگ کا میدان بھی ترتیب دیتے ہیں بیت المال وجود میں لاتے ہیں جنگ کے لئے لشکر کا سردار معین کرتے ہیں، امیر منصوب کرتے ہیں، دنیا کے بڑے بڑے سلاطین کو انتباہی پیغام بھیجتے ہیں اپنی فوجوں کو مشرق و مغرب کی بڑی بڑی طاقتوں کی سرحدوں پر بھیجتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مسجد بناتے ہیں نماز پڑھتے ہیں لوگوں کو تبلیغ و ہدایت اور وعظ و نصیحت کرتے ہیں وہی خالص اسلامی تہذیب ایک بار پھر ہمارے معاشرہ میں زندہ ہو گئی۔ اس نے اس قوم کو ذلت غلامی اسارت، کمزوری اور پسماندگی سے نجات عطا کر دی اور اسے ایک سربلند و با افتخار قوم بنا ڈالا۔

اقوام و ملل کی پیشوا قوم

یہ قوم جو اس عظیم انقلابی تحریک سے پہلے تک ایک غلام زیردست اور مغربی امپریلزم کے اشاروں پر ناچنے والی قوم شمار ہوتی تھی اچانک دنیا کی تاریخ کے لئے تقدیر ساز بن گئی۔ اس نے دنیا بھر کی بہت سی آزادی پسند تحریکوں کے درمیان اپنے انقلابی وجود کو پہچنوایا دنیا کی تمام قید و بندیں جکڑی، کمزور اور محروم قوموں کے لئے

قائد رہبر اور پیشوا بن کر ابھری اور شہید و شاہد بن گئی۔

وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً ... " (بقرہ/۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم (مسلمانوں) کو ہدایت کی اور معتدل اخلاق و نیک سیرت سے آراستہ کیا تاکہ تم لوگوں کے گواہ رہو جیسے ہم نے پیغمبر کو تمھارا گواہ بنایا ہے ... "

اس قوم نے اچانک اتنی طاقت و شرافت پیدا کرلی کہ اس کے پیغام بیانات، نعرے، اقدامات اور موقف دنیا کی دوسری اقوام کے لئے ایک سبق راہنما اور راہ گشا ہوگئے اور اس امت کا امام بھی دنیا کے انقلابی محروموں اور کمزوروں نیز طاغوتی حکومتوں کی قید و بند میں جکڑی ہوئی مسلمان قوموں کا امام بن گیا۔ یہ سب کچھ ان لوگوں کی اسلامی نقل و حرکت کے زیر سایہ ہوا، ہماری مسجدیں تقدیر ساز ہوگئیں جس کے نتیجہ میں ہمیں یہ عزت و سربلندی حاصل ہوئی

اسلام اور علماء کا کردار

آج بھی ہم علماء و روحانیت کے مسئلہ میں نیز انقلاب میں اسلام کے وجود اور سیاسی پالیسیوں کے سلسلہ میں ایسے ہی حالات سے دوچار ہیں۔ اصل انقلاب کا وجود میں آنا ایک مرحلہ ہے اور انقلاب کے پھلنے پھولنے اس کے قائم رہنے اور دنیا میں اس کے رائج ہونے کا مرحلہ ہماری امت کے لئے بہت ہی حساس، اہم اور تقدیر ساز مرحلہ ہے۔ اگر کل ہم انقلاب کی کامیابی کے سلسلہ میں سیاست کے میدان میں علماء کی مداخلت کے محتاج تھے تو آج انقلاب کے برقرار رہنے اور مستقبل میں اس کے پھیلنے کے سلسلہ میں بھی معاشرے کے اندر سیاسی، اجتماعی اور انقلابی میدان میں باایمان اور مجاہد علماء و روحانیت کے نیازمند ہیں۔

ہم کچھ عرصہ پہلے امام خمینیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو امام خمینیؒ نے جو جملہ خاص طور سے زور دے کر فرمایا تھا یہ تھا کہ آپ لوگ عوام سے کہئے تاکہ وہ جان جائیں کہ سازشی پردہ کی آڑ میں اپنے کاموں میں مشغول ہیں تاکہ دوبارہ علماء دروحانیت کو میدان سے باہر نکال دیں، جیسے مشروطیت کے زمانہ میں ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مشروطہ کے دور کا ہمارے اسلامی انقلاب سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ جو بڑی پونجی ہماری قوم اسلام اور ہمارے علماء نے اس انقلاب کے پھلنے پھولنے کے لئے لگائی اور دسیوں ہزار شہید اس راہ میں قربان کئے گئے، صدمے، نقصانات اور خسارے اٹھائے اس کا مشروطہ کے دور سے موازنہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ انقلاب ہمیں بہت مہنگا پڑا ہے لہٰذا اس کی قدر و قیمت بھی زیادہ ہے۔

مشروطی انقلاب میں جب علماء اور اسلام نے اپنا فریضہ ادا کیا اور انقلاب لے آئے تو اس کے بعد رفتہ رفتہ بعض عوامل نے سازشیں رچنا شروع کیں تاکہ علماء اور روحانیت کو سیاست کے میدان سے دور کردیں۔ پہلے پارلیمانی دور میں تو کچھ علماء موجود تھے لیکن دوسرے دور میں علماء کی تعداد پارلیمنٹ میں کم ہوگئی اور رفتہ رفتہ اجتماعی، حکومتی اور سیاسی مسائل میں علماء کی مداخلت کم سے کمتر ہوتی گئی۔ ان سازشیوں نے اس قدر زہر افشانی اور پروپیگنڈے کئے کہ دھیرے دھیرے علماء اور اسلام بالکل الگ کردیئے گئے ان لوگوں نے پھر یہی کہنا شروع کردیا کہ اسلام مسجدوں کے لئے ہے، علماء کا کام بھی مسائل بیان کرنا اور دینی مدارس میں پڑھنا پڑھانا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ جو مسائل علماء کے لئے چھوڑے گئے وہ عقد پڑھنا، شادیاں کرانا یا استلا وغیرہ لکھنا تھا۔ مغرب زدہ افراد کہنے لگے: ہم روشن خیال ہیں ہم نے مغربی تہذیب، اس کی معلومات اور اطلاعات سے استفادہ کیا ہے ہم جانتے ہیں کہ سماج کو کیسے چلایا جاتا ہے اور حکومت کیسے کی جاتی ہے" علماء کو سیاست سے باہر نکال دیا گیا لیکن بعد میں جب لوگوں کی آنکھیں کھلیں تو انھوں نے دیکھا کہ "فلان السلطنۃ" اور "فلان الدولۃ" جیسے اشخاص حاکم بن بیٹھے ہیں اور دھیرے دھیرے انقلاب مشروطیت کے ثمرات و نتائج مغربی استعمار کے منہ کا

چھپ رہا نہ تم نواب بنے ہوئے ہیں اور ان سے دنیا کے امپیریلیوں اور استعماریوں کی خدمت کی جارہی ہے۔ اس قوم سے اس کا فکری، اسلامی اور انقلابی تشخص چھین لیا گیا اور اسے مسلم طور پر بیگانوں اور اجنبیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ لیکن ہمیں اس کی اجازت نہیں دینا چاہئے کہ یہ تلخ تجربہ دوبارہ دہرایا جائے۔ ہمیں اسلام اور علماء کے حضور اور وجود کو انقلابی کاموں نیز اجرائی اور حکومتی اداروں میں باقی رکھنا چاہئے۔

البتہ یہ سب لوگوں کا حق ہے۔ یہ عوام انقلاب لائے ہیں۔ سماج کے مختلف گروہوں اور جماعتوں نے جو اسلام انقلاب اور امام خمینیؒ کی راہ پر چل رہی تھیں اپنی جانیں دی ہیں۔ اور آج بھی انقلاب اور اس حکومت کے وارث ہیں۔

میدان عمل میں علماء کے وجود کی ضرورت

وہ روحانیت اور علماء جو کل تک یعنی انقلاب سے پہلے تک حالات کو دیکھتے تھے، تنقیدیں کرتے تھے یا ان کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ اب انھیں نظام کے اندر ذمہ داریاں سنبھالنا چاہئے۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تمام نگرانیاں علماء ہی کے ہاتھ میں ہونا چاہئیں بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ نظام کے درمیان رہ کر ذمہ داری قبول کریں اور نظام کی اجرائی سیاسی حکومتی اور سیاسی شہادت کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں یہ سیاسی خودکشی ہے لیکن ہم اسے سیاسی شہادت سے تعبیر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ تالاب کے باہر بیٹھنا اور اکثر تنقید کرنا اور بیانیہ جاری کرنا بہت آسان ہے۔ بہت سے افراد جو تالاب کے باہر ہیں ممکن ہے انقلابی، محبوب اور روشن خیال شخصیت کے عنوان سے پہچانے جائیں لیکن جب وہ نظام حکومت میں دخیل ہوئے اور ان کے کاندھوں پر ذمہ داری آئی اس وقت مختلف قسم کی مشکلوں اور دشواریوں سے دوچار ہوتے ہیں اور طرح طرح کی تہمتوں، توقعات، الزامات اور افواہوں کا شکار بنتے ہیں۔ اگر یہ طے ہے کہ نظام اسلامی اور نظام حکومت کے اندر اسلامی ماہیت کی جڑیں مضبوط ہوں تو باایمان اور لائق علماء کو نظام

کے اندر اپنی ذمہ داریاں قبول کرنا چاہئے۔ چاہے اس راہ میں کتنی بھی دشواریاں پیش آئیں ہم آمادہ ہیں، دوسرے افراد بھی آمادہ اور انھیں تیار رہنا چاہئے۔

علماء کے افعال و کردار کی دہری تاثیر

ساتھ ہی پوری بیداری اور ہوشیاری کے ساتھ ہمیں اور دوسروں کو چوکنا رہنا چاہئے کہ کسی گمراہی اور لغزش کا شکار نہ ہوں، کیونکہ کل علماء کی بھول یا لغزش کا خطرہ بہت کم تھا۔ آج روحانیت نظام حکومت کے اندر خود اسلام کے مانند ہے۔ انقلاب کی کامیابی سے پہلے تک ایران مسلمانوں کا معاشرہ چاہے جتنا بھی گندا اور خراب رہا ہو، لیکن اس خرابی کی بلا براہ راست اسلام کے سر نہیں آتی تھی۔ اگر اس کے بازار، کھیتیاں اور صنعتیں خراب تھیں، اگر ملک کو چلانے میں ناانصافی اور پارٹی بازی سے کام لیا جاتا تھا تو ہم کہتے تھے اس میں اسلام کا قصور نہیں ہے، یہ قابل نفرت شہنشاہی نظام ہے جو ملک کی یہ حالت بنائے ہوئے ہے ہم ہر طرح کے فساد، خرابیوں اور ناانصافی پر حکومت کو قصوروار سمجھتے تھے اور اسلام کا دفاع کرتے تھے۔ واقعاً دوسرے ملکوں میں جب ہم کہتے تھے کہ اسلام عدل و انصاف کا علمبردار ہے تو وہاں کے لوگ کہتے تھے "پھر تمہارے ملک میں انصاف اور سچائی کیوں نہیں ہے خیانت اور گول مال کیوں ہے؟" تو ہم کہتے تھے یہ نظام حکومت کا قصور ہے۔ حکومت اسلامی نہیں ہے۔ لیکن اگر آج کہیں کہ "آپ کے ادارے اور دوائر ایسے ویسے کیوں ہیں، بازار کیوں ایسے ہیں صنعت میں خرابی کیوں ہے؟ تو ہم کیا جواب دیں گے؟ لہٰذا اس انقلاب کی کامیابی کے بعد ملک میں ہمارے نظام کی کارگزاری پر اسلام کی عزت و حیثیت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔

علماء اور روحانیت کا بھی یہی حال ہے۔ کل تک اگر اس سے کوئی خطا ہوتی تھی، تو خطا تھی، بہت غلط تھی اور اس کا اثر بھی برا تھا لیکن آج اگر علماء نے نظام حکومت میں ذمہ داری سنبھالی ہے تو اس کی لغزش کا اثر کہیں زیادہ ہے۔ اسی طرح وہ تمام

افراد جو اسلام کے آئیڈیل اور نمونہ، اسلام سے لگاؤ رکھنے والے، مومن اور دیندار افراد سمجھے جاتے ہیں، آج ان کے ذاتی یا ان کے خاندانی اعمال و کردار کا اثر ان کے کل کے اعمال و کردار سے کئی گنا زیادہ ہو گیا ہے اس وقت جو ایک مسلمان مسجد میں جاتا ہے، نماز پڑھتا ہے خود کو مسلمان اور مومن کہتا ہے حتیٰ اہل خاندان سے اس کا برتاؤ اور سماج میں لوگوں کے ساتھ اس کا اخلاقی سلوک دنیا میں اسلام کے لئے ان سب باتوں کا اثر انقلاب سے پہلے کے اس کے اعمال و کردار سے کہیں زیادہ ہے۔ ہمارے انقلاب کی لہروں کے ساتھ ہمارے افعال ہمارے اخلاق اور کردار کے اثرات بھی پھیل رہے ہیں، بالکل ٹیلیویژن اور ریڈیو کے مانند جو تصویریں اور آواز نشر کرتے ہیں۔ اگر لاؤڈ اسپیکر نہ ہو تو آواز کی لہریں ایک کمرہ کی حدود تک ہی رہیں گی۔ لیکن ایک لاؤڈ اسپیکر اور ایک طاقتور صوتی سسٹم آواز کو بازار اور سڑکوں تک پہنچا دیتا ہے۔ آواز وہی ہے لیکن اس کی لہریں ایک بڑے علاقہ میں پھیل رہی ہیں۔ اب اگر اسی آواز کو ریڈیو یا ٹیلیویژن سے نشر کریں تو اس کا دائرہ کس قدر وسیع ہو جائے گا!!

اس وقت بالکل ایسا ہی ہے، ہمارا عمل ہمارا کردار، ہمارے بنائے ہوئے قوانین، انتخابات ہمارے فیصلے، ہمارے نظریئے گویا الگ طاقتور صوتی نظام کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے میں پھیل رہے ہیں لہٰذا ان کا اثر بھی بہت وسیع اور نفوذ کرنے والا ہے اسی وجہ سے ہمیں زیادہ ہوشیار رہنا اور اپنی ذمہ داریوں کا زیادہ احساس کرنا چاہئے۔

انقلاب

انسان اور معاشرہ کی تعمیر

جناب ہاشمی رفسنجانی

ترجمہ:۔ جناب سید احتشام عباس زیدی

ہر انقلاب اور سماجی تغیر اگر ایک عام تغیر و تبدل کے بجائے واقعی انقلاب ہو تو اس کا ایک مرحلہ یہ ہے کہ وہ گزشتہ نظام کو درہم و برہم یا خراب کرے اور ایک مرحلہ یہ ہے کہ نئے نظام کی تعمیر کرے۔ یہ بات افراد اور انسانوں پر بھی صادق آتی ہے۔ اہل حال اور اہل دل کہتے ہیں کہ انسان کی تعمیر میں دو مرحلے پائے جاتے ہیں۔

۱۔ تخلیہ، تصفیہ اور تزکیہ کا مرحلہ جس میں انسان اخلاقی برائیوں، ناپاکیوں اور گمراہیوں سے خود کو پاک و صاف کرے۔

۲۔ نئے انسان کو بنانے اور اسے وجود میں لانے کا مرحلہ۔

ہمارے انقلاب میں تخریب، تخلیہ اور تصفیہ کا مرحلہ بھی دو بنیادی حصوں میں تقسیم ہوا ہے ایک انقلاب کی کامیابی سے پہلے کا عہد جس میں ہم نے اس حکومت کی بنیادیں ہلا دیں جو کام سے حکومت چھین کر اپنے ہاتھ میں لی اور اس کی باگ ڈور سنبھال لی۔ کامیابی کے بعد جبکہ حکومت قوی اور اسلامی ہو گئی تصفیہ کا دوسرا دور شروع ہوا، یہ تصفیہ بہت ہی اساسی اور لازم و ضروری تھا۔ کتنے ایسے ادارے تھے جن کا ملک سے باہر نکالا جانا ضروری تھا۔ یہ ادارے

اور تنظیمیں ایسی تھیں جن کا توڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا، ساواک، شاہنشاہی دربار، شاہی خفیہ محکمہ، سینٹ اور لاٹری جیسے ادارے جو پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کی جڑیں گہرائی تک اتری ہوئی تھیں ان کا صفایا کیا گیا اور ان کی جگہ صحیح افراد پر مشتمل مناسب اداروں کو وجود میں لانے کا مرحلہ تھا۔

تعمیر کا مرحلہ جس کی جڑیں تصفیہ و تخلیہ کے مراحل سے ہی جڑی ہوئی ہیں، اس کا سلسلہ ان ہی ابتدائی دنوں یعنی انقلاب کی کامیابی کے پہلے ہی سے شروع ہو چکا تھا اور مختلف پہلوؤں اور متعدد میدانوں میں جاری رہتے ہوئے نتائج سے بھی ہمکنار ہوا ہے اس سلسلہ میں معاشرہ کو بہترین اور قیمتی ثمرات حاصل ہوئے ہیں تعمیر کا ایک پہلو انقلاب کا ثقافتی پہلو ہے۔ اگر ہم یہ سوچیں کہ کوئی معاشرہ ثقافتی انقلاب کے بغیر اور ثقافتی بنیادوں کی تبدیلی کے بغیر انقلاب کے تمام میدانوں میں تعمیری کام کر سکتا ہے تو یہ ہماری بھول ہے۔ گزشتہ حکومت سے مناسبت رکھنے والے انسانوں، فکروں، جذبوں اور بنیادوں کے ذریعہ اسلامی عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کی ثقافت اور ان کی فکر کی بنیاد اسلامی ہونا چاہئے۔ ہمارے سماج کے ایک بڑے حصہ کو ثقافتی انقلاب کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر بھی انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو تعمیر اور خود سازی کی ضرورت تھی۔ یہ ثقافتی انقلاب تبلیغات، ارشادات اور لوگوں کی ہدایت و آگاہی کے ذریعہ نیز اسلامی انقلاب کی فضا قائم کر کے وجود میں لایا جا سکتا ہے۔

آج جب انسان معاشرہ پر نگاہ ڈالتا ہے تو بتدریج وہ سمجھ سکتا ہے کہ انقلاب نے انسانوں کی تعمیر کی ہے اور لوگوں کی فکری سطح نئے اسلامی معاشرہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو چکی ہے عوام کے بنیادی ثقافتی و روحی تغیر کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر ہم انقلاب کی کامیابی سے چند سال پہلے کے حالات پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ اس وقت کے معاشرہ میں فخر و عزت کی بنیاد یہ تھی کہ اگر انسان خود کو سربلند کرنا چاہے اور یہ چاہے کہ سماج اسے احترام کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے لئے وہ مادی تڑک بھڑک، اونچا عہدہ، بڑے بڑے خطابات، عالی شان مکان، بہترین لباس، جدید ماڈل کی گاڑی، زرق برق زندگی اور

بینک بیلنس وغیرہ کے ذریعہ اپنی شخصیت بناتا اور خاص طور سے منحوس پہلوی خاندان کے ڈھرے پر خود کو چلانے کی کوشش کرتا تھا۔ سماج کے ایک بڑے حصہ میں ہوڑ لگی ہوئی تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ خود کو اس رنگ میں ڈھالیں اور سماج میں اپنے لئے ایک جگہ بنائیں۔

آج کوئی ان باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتا انقلاب کی فکر اور اس کی طبیعت و ماہیت نے قدریں ہی بدل دی ہیں اور چیزیں بالکل ہی برعکس ہو گئی ہیں۔ ثقافتی معیار اور لوگوں کے دل اب دوسری چیزوں کا تقاضا کرتے ہیں، عالی شان گھر، قیمتی قالین اور نئی گاڑیاں آج ہمارے سماج میں عیب سمجھی جاتی ہیں۔ عیش و طرب، اور زور و زر کی نمائش کو لوگ اب ناقدری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں قدر و عزت کی نظر سے نہیں۔ وہ تمام چیزیں جو درحقیقت غلط تھیں اور جن کے برے آثار سماج پر مرتب ہوتے تھے، انقلاب کی کامیابی سے پہلے شاہنشاہی حکومت میں جنھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور جو دراصل انسانوں کی ثقافتی ترقی میں رکاوٹ تھیں انقلاب نے انھیں یکسر بدل دیا ہے اور سماج کا رخ ایک سالم نظام اور سالم معاشرہ کی طرف موڑ دیا ہے۔

مادی اعتبار سے بھی دیکھئے، انقلاب کی کامیابی کے ابتدائی دنوں میں، ملک کو داخلی سطح پر تیل فراہم کرنے کے لئے جب میں جزیرۂ خارک گیا ہوا تھا تو وہاں کارکنوں کی شکایت یہ تھی کہ ان دنوں ہمیں غیر معمولی اور اضافہ تنخواہ دی گئی ہے اور سے ہم استعمال نہیں کر سکتے اس کا استعمال شرعی نہیں جانتے وہ درخواست کر رہے تھے کہ پورے جزیرہ میں امام کی جانب سے ایک حکم صادر کیا جائے کہ ہم اضافہ اور غیر شرعی پیسوں کو ایک جگہ جمع کریں اور اسے انقلاب کے اوپر خرچ کیا جائے۔ ڈھائی سال کے بعد اس کا ایک دوسرا نمونہ میں نے ہمدان کی "نوژہ" ہوائی چھاؤنی میں دیکھا۔ چھاؤنی میں داخل ہوا، گاڑی کا انتظار کر رہا تھا کہ چھاؤنی کے کچھ فوجی میرے گرد جمع ہو گئے، انھوں نے اپنی باتیں کہنے کے لئے مجھ سے چند منٹ مانگے پہلی بات جو انھوں نے کہی یہ تھی کہ جنگ کا زمانہ ہے اور ہمیں اضافہ تنخواہ دی گئی ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ جنگ کی وجہ سے حکومت کی اقتصادی حالت اچھی نہیں ہے، اس نے پارلیمنٹ میں ہنگامی بجٹ پیش کیا ہے، ہماری درخواست

ہے کہ جو اضافہ تنخواہیں ہمیں دی جاتی ہیں ختم کر دی جائیں!

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عوام ٹھنڈے پڑ چکے ہیں، اب ان میں انقلابی جذبہ نہیں پایا جاتا وہ انقلاب مخالف اخباروں کے حاشیوں اور انقلاب دشمن عناصر کی تحریریں پڑھنے کے بجائے عوام کے درمیان جائیں اور دیکھیں کہ لوگ کیا کہتے ہیں؟! یہ جنوب تہران یا دیہاتی علاقہ نہیں تھا کہ کہا جائے کہ یہاں کے لوگ مسلمان مومن اور قناعت پسند ہیں جب ہی یہ باتیں کہہ رہے ہیں۔ یہ نوژہ فوجی چھاؤنی تھی جو ملک کا ایک عظیم ہوائی فوجی مرکز ہے جہاں اکسپرٹ اور ماہر ہوا باز مشاق پائلیٹ، افسر اور ہوائی جہازوں کے انجینیر سب اونچی اونچی تنخواہیں پاتے ہیں اور ان کی سطح زندگی بھی بلند ہے، وہی فوجی جنھیں کچھ موقع پرست اور تفرقہ انداز مفاد پرست عوام سے الگ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان فوجیوں کی باتیں تھیں یہ ایسے معاشرہ کی باتیں ہیں جس پر لاعلمی اور ناآگاہی کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ یہ حالات سے آگاہ اور جنگ کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں اور سب سے پہلے جنگ کا بوجھ ان پر پڑا ہے یہ ملکی حالات سے بخوبی آگاہ ہیں یہ لوگ ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جنھیں برسوں پہلے میں جزیرہ خارک میں وہاں کے کارکنوں سے سن چکا ہوں۔ مختصر یہ کہ ثقافتی اعتبار سے یہ معاشرہ پورے طور سے عدل اسلامی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہے اور لوگوں میں فکری سطح کی بلندی جو اقتصادی ترقی کی بنیاد ہے مکمل طور سے دیکھی جاسکتی ہے۔

انقلاب کے اقتصادی خدمات

اقتصادی جہت سے جو خدمات اسلامی انقلاب کے ان مختصر دنوں میں انجام پائی ہیں بہت ہیں ہم انقلاب کی اقتصادی پیشرفت اور نتائج کو دو حصوں میں بیان کر سکتے ہیں:

۱۔ بنیادی و اساسی نتائج جن کے فوائد فوری ظاہر نہیں ہوتے اور جنھیں ہم اپنی زندگی میں برسوں بعد محسوس کرتے ہیں۔

۲۔ ظاہری نمایاں اور محسوس کئے جانے والے نتائج جنھیں ہم سڑکوں، اسکولوں،

دیہاتوں اور شہروں میں دیکھ سکتے ہیں۔

ان بنیادی و اساسی کارناموں میں سے ایک جسے دشمن دانا اور نادان دوست اپنی زبان پر لانا نہیں چاہتے، تیل کا مسئلہ ہے اسے انصاف کی عینک سے دیکھنا چاہئے انقلاب کی کامیابی سے پہلے منحوس پہلوی حکومت روزانہ چھ ملین بیرل تیل نکالتی تھی جس کی آمدنی کا کچھ حصہ زندگی کی چمک دمک میں (وہ بھی جھوٹے آرام و آسائش کے لئے ظاہری ٹھاٹ باٹ کی چیزیں) خریدنے کے لئے استعمال کرتی تھی اور بقیہ آمدنی مختلف طریقوں سے غیر ملکی بینکوں میں، مشرق و مغرب کو باج دینے میں اور بین الاقوامی لٹیروں کے کھاتے میں چلی جاتی تھی یا عیش پرست طبقہ کے لئے سیکسی اور قیمتی چیزیں لانے میں برباد ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کے محاسبہ کے مطابق جسے بارہا محمد رضا پہلوی بھی کہا کرتا تھا، ملکی تیل کے ذخیرہ کی عمر بیس سال ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے کہ جب کہ ہماری قوم کی اقتصادی زندگی کا تنہا منبع و سرچشمہ تیل تھا اگر تمام ہو جاتا تو آنے والی نسلیں کیا کرتیں؟ یہ ملک روئے زمین پر یک بیک تلاش ہو کر رہ جاتا۔

انقلاب آیا اور اس نے تیل کی بیس سالہ عمر سو سال یا اس سے بھی زیادہ کر دی۔ گزشتہ حکومت میں اس تیل سے صرف موجودہ نسل استفادہ کرتی لیکن اس انقلاب نے یہ خدمت کی کہ اب تیل آئندہ نسلوں کے لئے بھی ذخیرہ ہو گیا ہے۔

اگر یہ کارنامہ نہیں تو اور کیا ہے؟! اگر یہ انقلاب نہیں تو پھر کیا ہے؟! کیا یہ خدمت ہے کہ حکومت ملک کی ثروت کو اس طرح سے ہیچ کر معاشرہ کے لئے سیکس اور عیش و طرب کی چیزیں خریدے اور بقیہ آمدنی غیر ملکی بینکوں میں بھر دے اسے زندگی کہتے ہو اور انقلاب کو ہرج مرج کہتے ہو؟!! ہمارے دشمن ایسی ہی باتیں کہتے ہیں تیل کے پیسوں کو کیسے خرچ کیا جاتا تھا؟ تیل بیچا جاتا تھا، اس کی آمدنی کے ایک حصہ سے اسلحے اور ان کے پرزے خریدے جاتے تھے اور اس کا بھی ایک حصہ پہلوی خاندان اور اس سے وابستہ افراد نیز ملک کو لوٹنے والے دلالوں اور ٹھیکہ داروں کے کھاتے میں چلا جاتا تھا اور ایک حصہ شمالی تہران، بحر خزر کے کنارے رہنے والوں، کوٹھیوں اور محلوں کے باسیوں کے لئے عیش و طرب

کے سامان خریدنے اور ہوٹلوں اور کبرے ہالوں میں غیر ملکی مسافروں کی شہوت رانیوں پر صرف ہوتا تھا۔ جب ہم امریکہ سے اپنا حساب و کتاب ختم کرنا چاہتے تھے اس وقت امریکہ کے بینکوں میں ہمارے گیارہ ارب ڈالر موجود تھے۔ یہ امریکی ہمارے ہی بیسوں کو روکے رکھتے تھے اور اتنے نقد پیسوں کے باوجود پانچ اور چھ ڈالر میرل تیل کے قیمت سے حاصل ہوئے تھے ہمیں امریکی بینکوں سے قرض دیئے جاتے تھے مثلاً جب گزشتہ حکومت میں ایک کارخانہ لگانا چاہتے تھے تو کہتے تھے ہم کو مشینوں اور ایکسپرٹ اور ماہر افراد کی ضرورت ہے تو وہ کہتے تھے ہم تمہیں اسی صورت میں مشینیں اور ماہرین دیں گے جب خود ہم سے قرضہ لو!

امریکہ سے ۱۵ سے ۲۲ فی صدی سود پر قرضہ لیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی ماہرین کے عنوان سے جاسوسوں کا ایک گروہ ملک میں آکر اسے تباہ و برباد کرتا تھا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ہم تقریباً تین ارب اسی کروڑ ڈالر نقد امریکہ کے مقروض تھے اگر اس رقم کی ادائیگی کے لئے انھوں نے چار پانچ سال کی قسط بندی کر دی تھی! ہم نے حساب کیا کہ اگر ہم قسط ادا کریں تو دو ارب ڈالر سود بھی دیں جبکہ خود ہمارا پیسہ ان کے بینکوں میں پڑا ہوا ہے! اور انھوں نے یہ عظیم رقم ہمارے سستے تیل کے ذریعہ جمع کی تھی اس رقم کا مصرف کیا تھا؟ مثال کے طور پر ایران ہیلیکوپٹر خریدنا چاہتا تھا۔ وہ امریکہ کو چند خاص قسم کے مثلاً ہیلیکوپٹر نمبر ۲۱۴ بنانے کا آرڈر دیتا تھا۔ ہیلیکوپٹر کے پرزے صرف امریکہ کے پاس تھے اور اس کا بنانے والا صرف امریکہ تھا۔ جب یہ ہیلیکوپٹر ایران لائے جاتے تو ان ہی کے ساتھ ماہرین کی پوری ٹیم تعلیم دینے اور سکھانے کے لئے بلائی جاتی اتنے امریکی ہی کافی نہیں تھے بلکہ ان کے اوپر بھی مشیروں کا ایک گروہ ضروری تھا جو تعلیم دینے والوں کو ہدایت دے مشیروں یا ڈائرکٹروں میں ہر ایک کی تنخواہ ایک سو پچاس سے ایک سو پچاس ہزار تومان تک تھی۔ یہ لوگ درحقیقت جاسوس تھے۔ فوج کے اندر رہتے تھے اور ہمارے ٹیکنیشنوں کو کچھ سیکھنے اور ترقی کرنے سے روکتے تھے، انھیں کام نہیں کرنے دیتے تھے ہر روز ایک نیا پرزہ منگانے کا آرڈر دیتے تھے تاکہ ہم اس کے عوض ہیرے، سونا اور غیر ملکی زر مبادلہ امریکہ کے حوالے کریں۔ اور یہ لوگ جو آتے تھے اپنی پوری زندگی کا اثاثہ ایران سے

پورا کرتے تھے۔ امریکہ نے ان جاسوسوں کی زندگی کی ضروریات خریدنے کے لئے ۳۶ کروڑ ۸۰ لاکھ ڈالر ایران کے بجٹ سے لے کر خرچ کیا ہے، وہ بھی اس طرح کہ انھوں نے امریکہ میں ایک خصوصی کھاتا کھولا تھا ہم سے خریدے ہوئے تیل کا پیسہ اس کھاتے میں ڈالتے تھے اور اس میں سے پیسہ نکالنے کا حق بھی ان ہی کو تھا وہ اپنے حسب دلخواہ ہمارے لئے چیزیں خریدتے تھے اور اس کی رسید ہمیں دیتے تھے، خریدا ہوا مال ایران روانہ کرتے تھے اور ایران کے تیل کے پیسے سے قیمت وصول لیا کرتے تھے بعد میں اس کی رسید بھی ہمارے حوالے کرتے تھے کہ اتنا پیسہ خرچ ہوا یعنی چھتیس کروڑ اسی لاکھ ڈالر کی رقم! اور اتنی بڑی رقم میں سے ایک کروڑ تیس لاکھ ڈالر صرف ٹرانسپورٹ پر خرچ ہوا ہے!

اور اب بیٹھے بیٹھے کہتے ہیں کہ انقلاب نے کوئی کام نہیں کیا ہے! ایسے لوگ ہیں جو جانتے ہیں اور قضیوں سے واقف ہیں پھر بھی اعتراف کرنے پر آمادہ نہیں ہیں کہ ایران میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارے یہاں تمام شعبوں میں ماہرین کے نام پر جاسوس تھے، قوم نے انھیں نکال باہر کر دیا۔ اہم بات یہ ہے کہ ان ہی جنگ کے دنوں میں، ماہرین کی عدم موجودگی میں جب ہمارے ٹیکنیشن اور انجینیر مطمئن ہو گئے کہ ہمارے سروں پر کوئی امریکی ماہر نہیں ہے تو اب ان سے ہزار گنا بہتر کام کر رہے ہیں۔ ہوائی جہازوں کے پرزے جو ماضی میں ہیرے اور سونے کی قیمت پر خریدے جاتے تھے آج ان میں سے زیادہ تر اپنی فوج کے افراد کے ہاتھوں بنائے جاتے ہیں۔ اگر یہ انقلاب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟! ایک چیز ہو وہ لوگ کہا کرتے تھے یہ تھی کہ فوج کا عوام سے رابطہ اچھا نہیں ہے!! یہ ایک زبردست جھوٹ تھا، ہمارے ہوابازوں، افسروں، ٹیکنیشنوں، انجینیروں اور غیر فوجی افراد کی تقریباً متفقہ اکثریت، اسلامی انقلاب، اسلامی جمہوریہ اور امام کی شیدا ہے۔ بعض ہوا باز خود مجھ سے کہتے تھے کہ ہم آزاد ہو گئے اور اب محسوس کرتے ہیں کہ اپنے لئے کام کر رہے ہیں۔ ایک پائلیٹ مجھ سے بیان کر رہا تھا کہ میں اپنے اسی جہاز سے اب تک فلاں ملکہ فلاں شہزادی، فلاں شہزادے کے لئے ان کے فلاں محل میں شراب لے جا تا رہا ہوں اور اور کیسی کیسی شخصیتیں اور کیسے کیسے مناظر میری نگاہوں سے گزرے ہیں اور اب میں دیکھ رہا

ہوں کہ خود اپنے ملک کی خدمت میں مشغول ہوں۔ اب اگر میں چوبیس گھنٹے کے بجائے اڑتالیس گھنٹے بھی کام کروں تو نہیں تھکتا کیوں کہ میں خود اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے کام کر رہا ہوں۔

ہمہ جہتی ترقی

اقتصادی، ثقافتی، اداری، سیاسی، فوجی اور دوسرے میدانوں میں بھی اسلامی انقلاب نے اعجاز آمیز کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا انقلاب نظر نہیں آئے گا جس کے تمام انقلابی ادارے اتنی تیزی کے ساتھ مکمل ہوئے ہوں۔ الجزائر کا انقلاب اگر چہ ایک عظیم انقلاب تھا اس کے باوجود اس نے اپنی کامیابی کے انیس سال بعد اپنا قانون اساسی پاس کیا، لیکن ہم نے پہلے دوسرے سال میں اپنا قانون اساسی مکمل کر ڈالا مجلس خبرگان تشکیل دے دی، چند رائے شماریاں بھی انجام دے ڈالیں، اسلامی پارلیمنٹ بنا ڈالی اور تمام چیزیں عوام کے حوالے کر دیں۔ اداری پہلو سے اس ملک میں انقلاب کے چند سال بعد تمام اداری امور میں ایک امین ناظر و سرپرست موجود ہے آج ہر تحصیل ہر شہر، ہر صوبہ میں ایک لائق پیروی حاکم اور ذمہ دار موجود ہے اور ہر چیز اپنی جگہ منظم ہے، اس سے بہتر حالات بھی ہوں گے۔ عراق کی طرف سے ہم پر جنگ ایسے موقع پر تھوپی گئی کہ دشمن کو یہ احساس نہیں ہوا کہ اصولی حکومت، پارلیمنٹ اور نگہبان کمیٹی کی موجودگی میں یہ انقلاب ناقابل تسخیر ہو چکا ہے۔

بہت سے رفاہی کام انجام پا چکے ہیں لیکن ہمارے دشمن انھیں نہیں دیکھتے کہ ہزار جوان بغیر تنخواہ کے یا جزئی تنخواہوں پر دیہاتوں میں جہاد سازندگی کے نام سے کام کر رہے ہیں۔ سڑک سازی، برق رسانی، آب رسانی، حمام اور اسکولوں وغیرہ کی تعمیر کے کام انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے انقلاب کے پہلے سال چار ہزار اسکول بنائے اور دوسرے سال دس ہزار اسکولوں کی تعمیر انجام دی۔ دیہی علاقوں میں دسیوں ہزار کلومیٹر سڑکیں بنائی گئیں انقلاب کے پہلے اور دوسرے سال تقریباً پانچ لاکھ بجلی کے کنکشن دیئے گئے مستکبرین

کو دیئے جانے والے امتیازات ختم ہو گئے، ملک میں حکمرانی کا تنتا جاتا رہا، سب ایک دوسرے سے مل جل گئے، عوام حاکم، رعایا، فوج، پولیس، سرحدی فورس سپاہی، پاسدار سب ایک دوسرے میں گھل مل گئے اور ایک متحدہ حکومت بنا ڈالی، امریکہ اس ملک سے نکال دیا گیا فوج اور پولیس عوام سے مل گئی ملکی اداروں نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔ سب نے شیر کی طرح چند برسوں کی جنگ ایسی جنگ جس کے چند ماہ ایک بڑے ملک کو تباہ کرنے کے لئے کافی تھے لڑی مصیبتیں برداشت کیں اور پیشانی پر بل نہ آنے دیا۔

امریکہ نے جب بھی کسی ملک کے انقلاب کو کچلنا چاہا ہے تو اس پر انگلی اٹھائی ہے اور اس پر کمیونسٹی انقلاب کا لیبل لگایا ہے۔ انقلاب کی کامیابی سے پہلے ہمیں بھی اسلامی مارکسسٹ کہا جاتا تھا۔ امریکہ سوچتا ہے کہ آج بھی جب کہ ہمارے ملک میں اسلامی پارلیمنٹ نگہبان کمیٹی، اتنے سارے علماء، روحانی، امام اور مقتدر و خالص روحانی رہبر موجود ہیں اور ان کی باتیں اثر رکھتی ہیں اس کے باوجود یہ باتیں کہی جا سکتی ہیں، وہ اب بھی کہہ رہا ہے کہ یہ انقلاب کمیونزم کا خطرہ ہے! حضرت علی علیہ السلام اور امام جعفر صادقؑ کی مملکت حوزۂ علمیہ قم، اسلامی پارلیمنٹ میں کیا کوئی کمیونسٹ موجود رہ سکتا ہے؟! مارکسسٹ اس مملکت میں ابد تک جب تک اسلام ہے منفور ہے اور اس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آج ہماری قوم متحد ہو کر، رہبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اسلام کی وفادار انقلاب کے ثمرات و نتائج سے خوش اور بہتر مستقبل کے سلسلہ میں امیدوار اپنی انقلابی زندگی کی راہ پر گامزن ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

"قد خلت من قبلکم سنن۔ فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" (آل عمران/۱۳۷)

ہمارا انقلاب، منفرد اسلامی جدّوجہد

مختلف اقوام و ملل کی سرگزشت اور تاریخ کا موازنہ سبق آموز ہو سکتا ہے۔ دنیا

میں ایسی اسلامی تحریکیں بھی ہیں جو کامیاب ہوچکیں اور ایسی بھی ہیں جو ابھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئیں۔ کچھ غیر اسلامی تحریکیں بھی ہیں جن میں سے بعض نظریاتی اور عالمی ہیں، بعض محدود ملکی پیمانہ کی نسل پرست یا نیشنلزم کی کسی اور نوعیت کی حامل۔ تاریخ میں انقلاب بھی نظر آتے ہیں مثلاً فرانس کا انقلاب کبیر، روس کا عظیم انقلاب اکتوبر۔ ان میں سے کوئی بھی اسلامی نہیں ہے، ایک قومی اور آزادی دلانے والا انقلاب ہے اور دوسرا نظریاتی لیکن مادی مکتب فکر کی بنیاد پر استوار انقلاب، جو کسی جغرافیائی حد میں محدود نہیں ہے۔ محدود انقلاب بھی ہے جیسے الجزائر کا انقلاب جو ایک افریقی اسلامی ملک میں آیا یا عدن کا انقلاب جو اگرچہ اسلامی ماحول میں آیا لیکن اس کی ماہیت سوشلسٹی ہے افریقہ میں دوسرے انقلاب بھی آئے لیکن بالکل محدود اور قومی پیمانے پر۔ ایشیا اور مشرق بعید مثلاً چین، ویتنام اور کوریا کے انقلابات۔ عظیم قومی انقلابات جیسے ہندوستان جیسے بہت سی دوسری جگہوں پر آنے والے انقلابات جن میں سے اکثر وسیع پیمانہ پر تحقیق کے محتاج ہیں۔

موجودہ دور میں رونما ہونے والے مبارزات اور تحریکوں کو کلی طور سے دو روشوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ سیاسی و ثقافتی جدوجہد

۲۔ مسلحانہ جدوجہد

یعنی بعض تحریکیں معتقد ہیں کہ اپنی جدوجہد کو لوگوں میں آگاہی پیدا کرکے نیز ثقافتی خدمات کے ذریعہ عوام کو بیدار کرکے اور ظالم حکومتوں کو رسوا کرکے آگے بڑھانا چاہیے، تاکہ عوام بیدار، آگاہ اور اپنی ظالم حکومتوں کی پست حقیقت سے واقف ہوجائیں اور ان کا تختہ الٹ دیں بعض سخت روش پر عمل کرتے ہیں۔ اور معتقد ہیں کہ صرف باتوں اور تبلیغات کے ذریعہ کسی حکومت کو ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ حکومتوں کے پاس اپنے تبلیغاتی اور پروپیگنڈہ وسائل ہیں۔ ریڈیو، اخبارات جرائد وغیرہ۔ وہ اپنے پروپیگنڈوں کے ذریعہ ہمیشہ لوگوں کی حق پسند آوازوں کا گلا گھونٹ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صرف باتوں اور پروپیگنڈوں کے ذریعہ ایک حکومت کا تختہ نہیں الٹا جاسکتا، لہٰذا مسلحانہ اقدام اور گولیوں کی باڑھ کے ذریعہ

ہی ظالم حکومتوں کی ہیکڑی ختم کی جاسکتی ہے۔

یہ دونوں روشیں ہمارے قید کے زمانے یعنی شاہی حکومت کے خلاف ایران کے انقلاب کے دوران بھی درپیش تھیں۔ قید خانوں میں کہ جو خاص بحث وگفتگو کی جگہ تھی ہم زیادہ تر اس مسئلہ سے دوچار ہوتے تھے۔ یہ موضوع قیدیوں کی گرما گرم بحث کا موضوع تھا۔ کچھ لوگ مسلحانہ روش کے قائل تھے اور دوسری طرف جو لوگ سیاسی جدّوجہد کے معتقد تھے وہ ان پر دیوانگی خلل اندازی اور شدت پسندی کی تہمت لگاتے تھے۔ اور یہ چیز آج پوری دنیا میں درپیش ہے۔

لیکن اسلام اور ہمارے اسلامی انقلاب کی روش یہ تھی کہ ہم اپنے آپ کو ایک دائرے میں محدود نہیں کرتے۔ ہم حکومت کے مخالف اور اس سے برسرپیکار ہیں۔ زمان ومکان اور حالات ایک طرح کے اور ایک نوعیت کے نہیں ہیں، نہ ہم سیاسی روش کو برا کہتے ہیں نہ مسلحانہ روش کو۔ کبھی اسلحہ سے کام لینا چاہیے اور کبھی باتوں سے۔ بعض حالات میں تبلیغ کرنا چاہیے تاکہ عوام آمادہ ہوں اور کبھی جب تبلیغ کی اجازت نہ دی جائے تو صرف ایک گولی کے ذریعہ یا پھر کسی سخت اقدام کے ذریعہ ہم اپنی باتیں دنیا تک پہنچا سکتے ہیں اور مسلحانہ اقدام کرتے ہیں بہرحال اسلامی جہاد کی رہنمائی کرنے والوں حتی خود امام خمینی رح کی نگاہ میں روش یہ تھی کہ ہم حکومت سے جنگ کر رہے ہیں۔ مختلف حالات میں، مختلف نوعیت سے ہر مرحلہ میں ایک خاص نوعیت سے عمل کرتے ہیں نہ بالکل مسلحانہ جہاد کی خاص اصطلاحات سے ہم آہنگ ہیں کہ دوسروں کو احمق، رجعت پرست پچھڑا ہوا مشہور کریں اور نہ ان لوگوں کی طرح اقدام کرنے تھے کہ اسلحہ اٹھانے والوں اور اپنی جان خطرہ میں ڈالنے والوں کو شدت پسند اور خلل ڈالنے والا کہیں یہ ہماری مخصوص روش تھی جو آج دنیا میں ایرانی انقلاب کی روش کے نام سے جانی جاتی ہے۔

جذبۂ ایثار وشہادت والا انقلاب

آج ہمارے ہاتھوں میں پہنچنے والے دنیا کے بہت سے اخبار ورسائل اور فلسطینیوں

لبنانیوں، بعض ایشیائی و افریقی تحریکوں ایرانی طرز انقلاب کو آئیڈیل بنایا گیا ہے اس ایرانی طرز انقلاب کی ماہیت کیا ہے؟ اس میں اور دوسری تحریکوں میں کیا فرق ہے؟

ایک انقلاب ویتنام طرز کا تھا۔ ویتنام میں سب کچھ جنگ تھی۔ لوگوں کے سروں پر آسمان سے رات دن بموں کی بارش تھی اس کے برخلاف ویتنامی عوام کی کوشش یہ تھی کہ گوریلا جنگوں کے ذریعہ دشمن کی کمر توڑ دیں۔ بالکل یوں ہی جیسے آج ارٹیریا میں ہے اور بہت سے افریقی ممالک میں جاری ہے، الجزائر میں بھی یہی روش تھی لیکن ہم نے خود کو اس طرح سے محدود نہیں کیا تھا جو چیز آج ایرانی انقلاب کے طرز کی حیثیت سے دنیا میں رائج ہو رہی ہے، یہ ہے کہ عوام بے خوف و خطر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سڑکوں پر نکل آتے ہیں البتہ جو قوم ایسی فکری بنیاد کی حامل نہ ہو اور شہادت سے ڈرتی ہو کامیاب نہیں ہو سکتی عوام کے ایک بڑے طبقہ میں یہ جذبہ کارفرما ہونا چاہئے عوام کو شہادت کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ اس طرح کے لوگوں کی تھوڑی بہت تعداد تو ہر ملک میں موجود ہے، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے عوام میں اکثریت کو فداکاری اور قربانی کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔ اگر یہ جذبہ پیدا ہو جائے اور اس کی رہنمائی ہو تو یہ چیز ایک انقلاب کو کم سے کم قربانیوں کے عوض بھی کامیاب کر سکتی ہے یہ وہی کام ہے جو اسلامی ایران میں انجام پایا۔ یہ حالت جو کم ہی کسی انقلاب میں نظر آتی ہے ایران میں اس کا بخوبی تجربہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ روش مبارزہ کی اس نام نہاد علمی روش سے بالکل الگ ہے جسے سوشلسٹ کیمپ دنیا میں پیش کرتا رہا ہے اور جو صرف کارگروں اور مزدوروں کی جدوجہد ہے جس میں فقط کارگروں اور مزدور پیشہ افراد کی خوشحالی، حاکم اور استثمار کرنے والے طبقہ کے خلاف جدوجہد کو ایک علمی مبارزہ کا نام دیا جاتا ہے یعنی جس میں فقط مزدور طبقہ استثمار کرنے والے طبقہ کے خلاف شدت جنگ اور مسلحانہ اقدام کرتا ہے اس روش کا نمونہ ویتنام ہے جہاں کے عوام نے پچیس سال سے زیادہ عرصہ سے اس روش پر عمل کرتے ہوئے لاکھوں قربانیاں دیں اور اب بھی جب کہ ان کے انقلاب کو برسوں گزر گئے ہیں وہ جنگ کے زمانہ کی خرابیوں کو درست کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائے ہیں۔ ابھی بہت سے جنگل جلے پڑے ہیں، ابھی بہت سی سڑکیں اور راہیں بمباریوں کا شکار ہو کر خراب پڑی ہیں، ٹوٹے

ہوئے پلوں کی مرمت نہیں ہو پائی ہے اور بہت سے کھیت کاشت کے قابل نہیں ہو پائے ہیں کارخانے ابھی ٹھپ پڑے ہیں۔ قربانیاں دینے کے اعتبار سے افسوس کہ تقریباً دو کروڑ یعنی ہم سے سو گنا زیادہ جانیں دی ہیں اور جنگی تجربوں کا تو ایک عظیم لشکر نظر آتا ہے جو ہمارے جنگی مجروحوں اور مقتولوں سے کہیں زیادہ ہے، بلکہ ہمارا معاشرہ ساواک اور اس کے دوسرے مددگاروں کی جہنمی طاقت، شاہ کی عظیم مادی طاقت نیز امریکہ اور اس کے مشرقی و مغربی دوستوں کی زبردست طاقت کے خلاف جہاد کر رہا تھا۔ پس جو نکتہ ہمارے لئے واضح و روشن تھا وہ تھی جہاد میں ہماری کامیابی کی اہمیت۔ اگر ہم اپنے انقلاب کا دنیا کے انقلاب سے موازنہ کرنا چاہیں تو اس سے ملتی جلتی چیز ہمیں ہندوستان کے انقلاب میں نظر آتی ہے۔ وہ بھی بعض جہات میں، نہ کہ تمام جہتوں میں۔ ہندوستان جو کھلم کھلا برطانیہ کے زیر تسلط تھا، وہاں برطانیہ کے خلاف جدوجہد کی راہ میں عوام اس حد کو پہنچ چکے تھے جو ہمارے انقلاب کے آخری دنوں میں نظر آتا تھا۔ لوگ فداکاری اور قربانی کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ نہرو نے لکھا ہے:

حالات ایسے ہو گئے تھے کہ اگر ہندوستانی پولیس کسی ایک انقلابی کو پکڑ کر موٹر میں بٹھاتی تو بہت سے لوگ اس کے ساتھ جیل جانے کے لئے فوجی ٹرک میں بیٹھ جاتے تھے کہ ٹرک بھر جاتا تھا اور وہ کہتے تھے یا ہم سب جیل جائیں گے یا اسے بھی آزاد کرو۔ ایک قیدی کے ساتھ دسیوں افراد رضاکارانہ طور پر قید میں جاتے تھے۔ یا برطانیہ جب ہندوستانی عوام کے ساتھ سختی کرنا چاہتا تھا، مثلاً دو شہروں کے درمیان ایک سڑک تھی جس کے دونوں طرف درخت تھے اس پر آمد و رفت بہت ہوا کرتی تھی، انگریزوں نے کچھ لوگوں کا قتل عام کر کے ان کے سر سڑک کے درختوں پر لٹکا دیئے تھے، کئی کلومیٹر تک فقط سر لٹکے ہوئے تھے۔ انگریز اس اقدام سے لوگوں کو ڈرانا چاہتے تھے، نہرو نے لکھا ہے کہ تعجب یہ ہے کہ مجاہدین اسی راستے سے گزرتے تھے اور عوام نے گاندھی کی قیادت میں اس سڑک کے آخری سرے تک برطانیہ کے خلاف مظاہرہ کیا۔

ان کی جدوجہد اور مظاہرے پُرسکون تھے، ان میں کوئی سختی اور شدت نہیں تھی، وہ ہتھیار استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ہڑتال اور دھرنے وغیرہ کی منفی جدوجہد اپنائے ہوئے تھے۔ ہم نے خود کو ہندوستان کی طرح محدود نہیں رکھا کہ بہرحال پرسکون اور منفی رخ ہی اپنائے رکھا۔ جب ہم نے انقلاب کے آخری دنوں میں دیکھا کہ اب حکومت کے خلاف اسلحہ اٹھانے کا وقت ہے تو عوام نے اسلحہ اٹھا لئے، ہتھیاروں کے ذخیروں پر قبضہ کر لیا اور ان ہی ہتھیاروں سے فوجی چھاؤنیوں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ لہٰذا ہم نے خود کو محدود

نہیں رکھا، سختی کی راہ بھی اپنائی۔ ایک جہت سے ہمارا انقلاب ہندوستان کے انقلاب سے مشابہ تھا اور وہ تھی ہمارے عوام کی ظلم و جارحیت اور سختی کے خلاف فداکاری، ایثار اور استقامت کے لئے آمادگی، یہ وہ کیفیت ہے جو مشخص طور پر ایرانی طرز کے انقلاب یا امام خمینیؒ کی ہدایت پر آنے والے انقلاب کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس بنا پر کلی طور سے دنیا میں ماضی و حال کے دوران رونما ہونے والے انقلابات سے موازنہ کی صورت میں ہمارا انقلاب نہ صرف اسلحہ سے وابستہ ہے اور نہ صرف خاموش اور منفی جدوجہد کا نمونہ بلکہ وہ ہر خاص مرحلہ میں اپنے آپ کو ڈھال دینے کے لئے آمادہ تھا۔ محرم کی نویں دسویں تاریخ نیز چہلم کے دنوں میں ہم مظاہرہ کرتے تھے تو عوام سے یہ اپیل کی جاتی تھی کہ پولیس اور فوجی دستوں سے ٹکرانے کی کوشش نہ کریں اور سختی کا مظاہرہ نہ کریں، سکون و آرام کے ساتھ اپنی راہ طے کریں لیکن جب رہبر انقلاب ایران تشریف لے آئے اور جھڑپوں نے مسلحانہ صورت اختیار کی تو پھر عوام کو بھی مقابلہ کی اجازت مل گئی یہ وہ چیز ہے جس نے آج دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی ہے اور جس نے آج مارکسی میٹریلزم (جس کا عقیدہ ہے کہ مبارزہ و جدوجہد کو مزدور طبقہ سے اور وہ بھی مسلحانہ انداز میں شروع ہونا چاہئے) کا نظریہ توڑ ڈالا ہے۔

مبارزہ و جہاد کی یہ روش بذات خود انقلاب ایران کی شکل میں ایک خاص شیوہ و روش بن چکی ہے۔ مقبوضہ فلسطین میں صیہونیوں سے جہاد کرنے کے لئے اسی روش سے استفادہ کیا گیا۔ فلسطینی قرآن اپنے ہاتھوں میں لے کر نکل پڑے اور اسرائیلی پولیس اور فوجیوں کے مقابلے پر میدان میں آگئے۔ البتہ یہ شیوہ مقبوضہ فلسطین میں کہاں تک مفید اور کامیاب ہوگا یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے، کیوں کہ وہاں پانچ چھ لاکھ مسلمان پچیس لاکھ اسرائیلیوں سے ٹکر لے رہے ہیں یعنی مسلمان اس وقت وہاں کی ۱/۵ جمعیت کو تشکیل دیتے ہیں جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے کم از کم وہاں یہ روش کارگر ہو سکتی ہے۔

باقر الصدر

امامت و قیادت کے شرائط

(۸)

جناب محمدی ری شہری
ترجمہ: جناب ابو جواد

گزشتہ قسطوں میں۔ امامت کی تعریف، امامت کے مراتب، امامت کی منزلت، اسلام سے امامت کی جدائی، امامت عین تحریف، اور امامت کا فلسفہ بیان ہو چکا ہے اس مقالہ اور آئندہ مقالات کا موضوع امامت و قیادت کے شرائط ہیں۔

قرآن و حدیث میں کچھ چیزیں امامت و قیادت کے شرائط کے طور پر بیان ہوئی ہیں اور بہت سے مسلمان دانشوروں نے ــ چاہے وہ شیعہ ہوں یا سنی، فلسفی ہوں، یا متکلم، محدث ہوں یا فقیہ ــ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے۔ یہ شرائط حسب ذیل ہیں:

۱۔ قائد کے جسمانی خصوصیات

جیسے: بلوغ، عقل، ہوش و حواس اور اعضاء کی سلامتی، جسمانی توانائی اور مرد ہونا

۲۔ اخلاقی و نفسیاتی خصوصیات

جیسے: عدالت، شجاعت، ارادہ کا استحکام، قوت فیصلہ، کرامت نفس اور وسیع القلبی۔

۳۔ فکری خصوصیات

جیسے: حسن تشخیص اور تشخیص میں سرعت، سیاست دانی اور قوت حافظہ۔

۴۔ خاندانی خصوصیات

جیسے حلالی ہونا۔

۵۔ انتخاب کرنے والوں کے خصوصیات

جیسے: انتخاب کرنے والا خدا ہونا چاہئے، یا عوام اور یا عوام کے نمائندے۔ ان تمام خصوصیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(الف) امامت و قیادت کے عمومی شرائط۔

(ب) اسلامی نقطہ نظر سے امامت و قیادت کے خصوصی شرائط۔

قیادت کے عمومی شرائط

ان شرائط کے بیان سے پہلے، اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ ان مقالوں میں ہمارا مقصد، قیادت کے شرائط سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت ہے، چاہے وہ شرائط قیادت کے عام شرائط ہوں یا وہ خصوصی شرائط ہوں جو اسلام ایک قائد کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ لہٰذا قیادت کے عمومی شرائط کے بیان سے ہمارا مقصد ان خصوصیتوں کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کرنا ہے جو ہر معاشرہ کے قائد و امام کے لئے ضروری ہیں چاہے وہ جس مذہب و مسلک کے پیرو ہوں اور ہر مذہب و مسلک کا ماننے والا انھیں درک کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام میں قیادت کے خصوصی شرائط ہیں جنھیں اس دین کے ماننے والے اپنے اپنے مسلک کے نظریات کے مطابق قائد کے لئے ضروری جانتے ہیں۔

بصیرت

امامت کے شرائط بیان کرتے ہوئے بعض لوگوں نے عقل کو پہلی شرط کے عنوان سے

بیان کیا ہے۔ یہ ایک بدیہی چیز ہے جس کے متعلق بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ واضح سی بات ہے کہ احمق اور پاگل، امام و قائد نہیں بن سکتا۔ جب ہم قیادت کے شرائط بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس سے مراد ان خصوصیتوں کو بیان کرنا ہوتا ہے جو انسان کو امامت و قیادت کے لائق بناتی ہیں۔

جو چیز امامت و قیادت کی پہلی شرط کے عنوان سے پیش کی جا سکتی ہے وہ قیادت کی بصیرت ہے۔ قائد کے لئے عقل کے علاوہ ـــ جو ہر انسان کی فردی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے بھی ضروری ہے ـــ امام علی علیہ السلام کے لفظوں میں "قلب عقول" بھی ضروری ہے:

"یحتاج الامام الی قلب عقول ولسان قوول وجنان علی اقامة الحق صئول"[۱]

"امام کے لئے تیز ذہن، بولتی ہوئی زبان اور قیام حق کے لئے جری دل ضروری ہے"

وہ تمام مسائل جو تدبیر و چارہ جوئی کے محتاج ہیں ان میں حسن تشخیص اور تشخیص کی سرعت (اچھی طرح سمجھنا اور جلدی سمجھنا) امامت و قیادت کی ایک اہم شرط ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہر چیز سے پہلے قائد کے اندر ایک مستحکم سیاسی بصیرت کا ہونا ضروری ہے۔ اور قیادت کی بصیرت سے مراد بھی یہی سیاسی بصیرت ہے۔

امام رضا علیہ السلام، امام کی خصوصیات کے متعلق فرماتے ہیں:

"مضطلع بالامامة عالم بالسیاسة"[۲]

قائد کو قیادت کی صلاحیت کا مالک اور سیاست سے واقف ہونا چاہئے۔

اسلام اور دوسرے مکاتب فکر کے درمیان اس سلسلہ میں تو کوئی فرق نہیں

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔ ج ۴ ص ۲۹۶۔ وفاء الوفاء سمہودی جلد ۱ ص ۲۹

[۲] اصول الکافی۔ ج ۱ ص ۲۰۲

ہے کہ امامت وقیادت کے لئے سیاسی بصیرت ضروری ہے، لیکن اسلام کی سیاسی بصیرت دوسرے مکاتب فکر کی سیاسی بصیرت سے فرق رکھتی ہے۔ کیوں کہ اسلامی سیاست کا مفہوم اس سے جدا ہے جو آج کل کے پیشہ ور سیاستداں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

سیاست پیشہ ور سیاست دانوں کی نظر میں

پیشہ ور سیاست دانوں کی نظر میں سیاست اپنے مقصد کی تشخیص اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی تکمیل ہے"!

"اشپنگلر" اس سلسلے میں کہتا ہے:

"فطری سیاست داں کسی چیز کے حق یا باطل ہونے سے سروکار نہیں رکھتا، حادثات وواقعات کی منطق کو نظاموں کی منطق کے ساتھ مخلوط نہیں کرتا ۔ ۔ ۔"

رسل کہتا ہے:

اکثر لوگوں کا سیاسی محرک، مفاد پرستی، خودبینی، رقابت اور اقتدار کی خواہش ہے مثال کے طور پر سیاست کے میدان میں تمام انسانی اعمال کا سرچشمہ اوپر بیان کئے گئے یہی اسباب وعلل ہیں۔

جو سیاسی قائد عوام کو یہ باور کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ ان کے مطالبات پورا کرنے کی توانائی رکھتا ہے وہ عوام کو اس طرح اپنے قابو میں کر سکتا ہے کہ عوام دو دو پانچ کہنے یا یہ عقیدہ کہ اس کو اختیارات خداوندعالم کی طرف سے عطا ہوئے ہیں ماننے کو تیار ہو جائیں گے۔

جو سیاسی لیڈر، ان بنیادی محرکوں کو نظرانداز کردے معمولاً عوامی حمایت سے محروم ہو جائے گا۔ عوام کو حرکت میں لانے والی طاقتوں کے نفسیات کا علم، کامیاب سیاسی لیڈروں کی تعلیم وتربیت کا بنیادی حصہ ہوتا ہے[1]۔۔۔"

---

[1] ۔ برگزیدہ افکار رسل ص ۳۹۲

اکثر سیاسی لیڈر عوام کے ایک بڑے طبقہ کو یہ یقین دلا کر کہ وہ انسان دوست مطالبات کے حامل ہیں، اپنے عہدے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھی جا چکی ہے کہ اس طرح کا نظریہ، جوش و ولولے کے زیر اثر جلد ہی مقبول ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی گرفتاری، ان پر تشدد، مجمع عام میں تقریریں، توڑ پھوڑ، دوسرے افراد کے ساتھ جھڑپیں اور جنگ، اس جوش و ولولے کی ایجاد و توسیع کے مرحلے ہیں۔ کم تر خیال ہیں غیر منطقی فکر کے، امیدوں کے لئے افراد کو جوش و خروش کی حالت میں رکھ کر انھیں بے وقوف بنانے اور ان کا استحصال کرنے کا زیادہ چانس ہے[۷]۔"

اس نظریہ کے مطابق سیاست کا مطلب: دوسروں پر اپنا اقتدار جمانے کے لئے دھوکا، فریب، عیاری اور مکاری کے سوا کچھ نہیں۔ اس لحاظ سے جو شخص جتنا بڑا فریبی ہوگا اس کی سیاسی بصیرت و ذہانت اتنی ہی زیادہ ہوگی اور وہ اتنا ہی بڑا سیاست داں ہوگا۔

جو لوگ سیاسی بصیرت کو دوسروں پر مسلط ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ امام علیؑ کے سیاسی اقدامات دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ کے پاس سیاسی بصیرت نہیں تھی، اسی لئے ان میں یہ کہنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے کہ: "علیؑ میدان شجاعت کے ہیرو تھے، میدان سیاست کے نہیں!"

اگر علیؑ سیاست داں ہوتے تو اس چھ رکنی کمیٹی میں جو عمر کے حکم سے ان کا جانشین معین کرنے کے لئے بنائی گئی تھی جب عبد الرحمن بن عوف نے علیؑ کی طرف اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھایا تھا اور یہ شرط رکھی تھی کہ آپ شیخین کی سیرت پر عمل کریں گے تو امام ان کی شرط مان لیتے پھر حکومت پر قبضہ کرنے اور اپنی سیاسی پوزیشن مضبوط بنانے کے بعد جیسا مصلحت سمجھتے، عمل کرتے!

اگر ان کے پاس سیاسی بصیرت ہوتی تو اپنی حکومت کے آغاز میں مخالف عناصر خاص طور سے معاویہ سے وقتی طور پر مفاہمت کر لیتے اور پھر اپنی حکومت مضبوط

۷۔ برگزیدۂ افکار رسل ص ۲۲۲

بنانے کے بعد انھیں کچل ڈالتے ۔ نہ یہ کہ ابھی اپنے قدم جمائے بغیر معاویہ کو جس کی جڑیں شام میں مضبوط تھیں اور وہ وہاں اثر ورسوخ رکھتا تھا ۔۔ معزول کر ڈالیں؟!

اگر وہ سیاستداں ہوتے تو طلحہ و زبیر کو آزادی کے ساتھ مدینہ چھوڑنے کی اجازت نہ دیتے کہ وہ وہاں سے جاکر جنگ جمل کی آگ بھڑکائیں ؟!

اگر وہ سیاستداں ہوتے تو مصر کے گورنر سعد بن قیس کو ۔۔ جو کار آزمودہ و تجربہ کار شخص تھا ۔۔ معزول نہ کرتے اور ان کی جگہ پر محمد بن ابی بکر کو وہاں کا والی مقرر نہ کرتے جنھوں نے اپنی ناتجربہ کاری کے باعث امامؑ کی حکومت کی قلمرو کا یہ بڑا حصہ معاویہ کے سپرد کر دیا ؟!

اگر وہ سیاستداں ہوتے تو نجاشی ، رقبہ بن مصقلہ حتیٰ ان کے بھائی عقیل جیسے ان کے ساتھی ، معاویہ کے ساتھ نہ ہو جاتے ؟!

اگر وہ سیاستداں ہوتے تو جنگ صفین کے دوران جنگ کے آخری اور نازک لمحات میں جبکہ معاویہ کے استبداد کی بساط الٹنے ہی والی تھی اور امامؑ کی فوج کامیابی کے دروازہ تک پہنچ چکی تھی معاویہ کے دھوکے میں نہ آتے جب عمرو عاص کی چالبازی سے سپاہ شام نے نیزوں پر قرآن بلند کئے تھے ، حکمین کی تجویز ۔۔ جس نے معاویہ کی پوزیشن مضبوط کر دی ۔۔ قبول نہ کرتے ؟!

ان اعتراضات کا تفصیلی جواب تو اس مقالے میں ممکن نہیں ہے اور اس کے متعلق تفصیلی تحقیق کا مقام ، امامت خاصّہ کے مباحث ہیں ، لیکن ان تمام مسائل کا ایک واضح اور مختصر جواب یہ ہے کہ :

جی ہاں ! امام علی علیہ السلام ، آج کی پیشہ ورانہ سیاست کے مفہوم میں سیاستداں نہیں تھے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں اس قسم کی سیاسی بصیرت موجود نہ تھی ، بلکہ وہ اس سیاسی بصیرت سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے تھے یا بہتر انداز میں یوں کہہ لیجئے کہ وہ اسلامی قوانین و ضوابط کی پابندی کے باعث اپنی سیاسی ذہانت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے ۔

خود مولائے کائنات نے سیاست کے گمراہ کن مفہوم میں اپنے سیاست کار نہ ہونے کے سلسلہ میں نہج البلاغہ میں ان لفظوں میں وضاحت فرمائی ہے:

واللہ ما معاویۃ بادھی منی ولکنہ یغدر ویفجر ولولا کراھیۃ الغدر لکنت من ادھی الناس ولکن کل غدرۃ فجرۃ و کل فجرۃ کفرۃ ولکل غادر لواء یعرف بہ یوم القیامۃ[1]

"خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ ہوشیار اور سیاست داں نہیں ہے مگر فرق یہ ہے کہ وہ غداریوں سے چوکتا نہیں اور بدکرداریوں سے باز نہیں آتا۔ اگر مجھے عیاری و غداری سے نفرت نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زائد ہوشیار و زیرک ہوتا۔ لیکن کیا کروں کہ ہر غداری گناہ اور ہر گناہ، حکم الٰہی کی نافرمانی ہے چنانچہ قیامت کے دن ہر غدار کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔"

ابن ابی الحدید، مولاؑ کے اس خطبہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"کچھ لوگ جنھیں فضیلت امیر المومنینؑ کی حقیقت کا علم نہیں ہے یہ گمان کرتے ہیں کہ عمر آپؑ سے زیادہ سیاست جانتے تھے اگرچہ آپ علم میں عمر سے افضل تھے۔ بوعلی سینا نے کتاب "شفا" میں یہ بات صریحی طور سے کہی ہے۔ ہمارے استاد ابوحسین بھی اسی نظریہ کی طرف مائل تھے اور اپنی کتاب "غرر" میں انھوں نے اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن علی علیہ السلام کے دشمن اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ تصور کرتے ہیں کہ معاویہ بھی امام علی علیہ السلام سے بڑا سیاست داں تھا!"

یہ مطالب نقل کرنے کے بعد ابن ابی الحدید بڑی تفصیل سے امام کی سیاست کا دفاع کرتے ہیں۔ پہلے وہ یہ وضاحت دیتے کہ علی علیہ السلام، اسلامی قوانین و ضوابط

---

[1] ۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۸

کی مکمل پابندی کی وجہ سے ناجائز سیاستیں اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام کا سیاسی طریقہ کار بعینہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کا طریقہ کار تھا اور ان چیزوں کا جواب دیتے ہیں جو امام کی سیاسی کمزوری کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔[1]

علامہ طباطبائی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ بھی امام علی علیہ السلام کی سیاست پر اعتراضات اور ان کے جواب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"علی علیہ السلام کے مخالفین کہتے ہیں: وہ میدان شجاعت کے ہیرو تھے میدان سیاست کے نہیں وہ اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں مخالف عناصر سے وقتی طور پر مفاہمت اور ان سے دوستی کر کے انھیں خوش کر سکتے تھے۔ اس طرح اپنی خلافت کو مستحکم بنا کر بعد میں ان کا قلع قمع کر دیتے۔

لیکن ان لوگوں نے یہ نکتہ بھلا دیا ہے کہ علیؑ کی خلافت ایک انقلابی تحریک تھی اور انقلابی تحریکوں کو چاپلوسی، ظاہر سازی اور منہ دیکھی باتوں سے دور رہنا چاہئے اسی طرح کی صورت حال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں بھی پیش آئی تھی کفار و مشرکین نے بارہا آپ کے سامنے مفاہمت کی تجویز رکھی تھی کہ آنحضرتؐ ان کے خداؤں سے واسطہ نہ رکھیں وہ لوگ بھی آپ کی دعوت کی راہ میں روڑے نہیں اٹکائیں گے۔ لیکن پیغمبر اکرمؐ نے ان کی یہ تجویز ٹھکرا دی حالانکہ آنحضرتؐ اس سخت اور کٹھن دور میں چاپلوسی چرب زبانی، اور مفاہمت سے اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکتے تھے اس کے بعد دشمنوں سے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلتے۔

بنیادی طور پر، اسلامی دعوت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک حق حاصل کرنے کے لئے دوسرا حق کچل دیا جائے! باطل کو ایک دوسرے باطل کے ذریعہ مٹایا جائے قرآن مجید میں اس سلسلہ میں بہت سی آیتیں

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید صفحہ ۲۱۲-۲۶۰

موجود ہیں۔

اس کے علاوہ علیؑ کے مخالف اپنی کامیابی اور مقصد کے حصول کی راہ میں ہر قسم کے جرم اور اسلام کے ہر قانون کی (بلا استثناء) صریحی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور گناہ کا ہر دھبہ، صحابی و مجتہد ہونے کے نام پر دھو دیتے تھے۔ لیکن علیؑ قوانین کے پابند تھے[1]

علامہ طباطبائیؒ کے بیان کا نچوڑ ان دو جملوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ امامؑ کی حکومت ایک انقلابی تحریک تھی اور انقلابی حکومت کا ایک بنیادی رکن انحرافات اور گمراہیوں سے مفاہمت نہ کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ اسلام میں مقصد، وسیلہ کو مباح نہیں کرتا۔ امامؑ، اسلامی قوانین کے پابند ہونے کے باعث، سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے ناجائز طریقے نہیں اپنا سکتے تھے۔

مختصر یہ کہ امام علی علیہ السلام کی سیاست کے دفاع کے لئے یہی ایک جملہ کافی ہے کہ سیاست آج کے پیشہ ورانہ مفہوم میں صرف دھوکا فریب اور خیانت ہے اور اس مفہوم کے مطابق، علیؑ سیاست داں نہیں تھے اور یہ آپ کی پربرکت زندگی نیز سبق آموز عملی سیرت کا سب سے درخشاں اور پرافتخار پہلو ہے۔

ایران کے اسلامی انقلاب پر بھی جس نے اپنے بانی امیر المومنینؑ کے فرزند خلف امام خمینیؒ کی عمیق بصیرت کی برکت سے اپنی داخلی و خارجی سیاستوں کے بنیادی خطوط ــ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خالص اسلام کی سیاست کے حقیقی مفسر ہیں ــ حاصل کئے ہیں اس کی بہت سی سیاسی بنیادوں جیسے: نہ شرقی نہ غربی کی پالیسی، محروم و مستضعف افراد کی حمایت کی سیاست، مستکبرین اور ان کے سرغنہ امریکہ کے مقابلہ میں ڈٹے رہنے کی سیاست پر سیاسی بصیرت کے فقدان کا

---

[1] ۔ شیعہ در اسلام۔ ص ۵۵-۵۷

الزام عائد کیا جاتا ہے اور یہ اس انقلاب کے لئے باعث فخر اور اس کے اقدامات کی صحت و اصالت کی علامت ہے۔ بہر کیف اسلامی نقطۂ نظر سے، سیاسی بصیرت امام و قائد کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ قائد میں سیاسی بصیرت جتنی زیادہ ہوگی وہ اپنی ذمہ داریوں کی بجا آوری میں اتنا ہی زیادہ کامیاب ہوگا۔ امام علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"حسن السیاسة قوام الرعیة"[1]

"اچھی سیاست، معاشرہ کے استحکام کا ذریعہ ہے"

من حسنت سیاسته دامت ریاسته"

جس کی سیاست صحیح اور اچھی ہوگی اس کا اقتدار باقی رہے گا۔

"الملک سیاسة"[2]

"حکومت عین سیاست ہے"

قائد کی سیاسی بصیرت جتنی کمزور ہوگی اتنا ہی وہ مملکت کا نظام چلانے میں ناتواں ہوگا یہاں تک کہ سیاست سے ناآشنا قائد، ایک انقلاب اور ایک امت کی نابودی کا باعث بن سکتا ہے۔ امام علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

آفة الزعماء ضعف السیاسة"[3]

قائدوں کو جس آفت سے خطرہ لاحق ہے وہ سیاسی بصیرت کی کمزوری ہے

من قصر فی السیاسة صغر فی الریاسة"

جس کی سیاسی بصیرت کمزور ہوگی اس کا اقتدار بھی مختصر ہوگا"

سوء التدبیر سبب التدمیر"

غلط سیاست و تدبیر، ہلاکت و تباہی کا باعث ہے"

۱۔ غرر الحکم ۔ ۴۸۱۸ " ۔ ۲۔ غرر الحکم ۱۷ " ۳۔ غرر الحکم ۳۹۳۷

۴۔ " ۸۵۳۶ " ۵۔ " ۵۵۷۱

باوجودیکہ اسلام، سیاست کو امامت و قیادت کے لئے اتنا ضروری سمجھتا ہے جس سے مفر نہیں، لیکن سیاست، آج جن معنوں میں استعمال کی جا رہی ہے اس کی شدت کے ساتھ مذمت کرتا ہے۔ اصولی طور پر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کا ایک بنیادی فرق سیاسی روش کا فرق ہے۔ اسلامی انقلاب کے عظیم الشان قائد امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے انقلاب کی کامیابی کے برسوں پہلے، جلاوطنی کے ایام میں درس دیتے ہوئے اسلامی سیاست اور دنیاوی سیاست کا فرق ان لفظوں میں بیان فرمایا تھا:

"آپ مایوس نہ ہوں، یہ نہ سوچیں کہ یہ امر (اسلامی حکومت کا قیام) ناممکن ہے۔ خدا گواہ ہے کہ آپ لوگوں کی صلاحیت دوسروں سے کم نہیں ہے! اگر صلاحیت و لیاقت سے مراد ظلم اور انسانوں کا قتل ہے تو یقیناً ہم میں یہ صلاحیت نہیں ہے۔ وہ حقیر انسان (پہلوی حکومت کا ایک اعلیٰ عہدیدار) جب جیل میں میرے پاس آیا... اس نے کہا: سیاست کا مطلب بدطینتی، دروغگوئی اور... مختصر یہ کہ شیطنت ہے اور اسے آپ ہم لوگوں کے لئے رہنے دیں!" وہ سچ کہہ رہا تھا اگر سیاست یہی ہے تو ان ہی کو مبارک ہو۔ لیکن اسلام میں جو سیاست ہے، مسلمان جس سیاست کے مالک ہیں، ائمہ ھدیٰ علیہم السلام جو "ساسۃ العباد" ہیں اس کا مطلب وہ نہیں ہے جو وہ شخص کہہ رہا تھا۔ وہ ہمیں دھوکا دینا چاہتا تھا۔ اس نے بعد میں اخباروں میں یہ بیان شائع کیا کہ "سمجھوتا ہو گیا ہے کہ علمائے دین سیاست میں دخل نہیں دیں گے" ہم نے بھی جیل سے آزاد ہونے کے بعد منبر سے یہ اعلان کیا کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اگر خمینی یا کوئی اور اس طرح کی باتیں کرے گا تو اسے نکال باہر کریں گے۔

ان لوگوں نے شروع ہی سے آپ لوگوں کے ذہن میں یہ بھر دیا ہے کہ سیاست یعنی جھوٹ بولنا وغیرہ تاکہ آپ کو مملکت کے مسائل سے دور رکھیں اور خود اپنی حرکتوں میں مشغول رہیں[1]

۱۔ ولایت فقیہ ۔ صفحہ ۱۹۱-۱۹۲

آج کے پیشہ ور سیاستدانوں کی منطق میں، سیاست، حکومت کرنے کا ایک تجربہ ہے۔ لیکن اسلامی سیاست داں کی نظر میں سیاست، معاشرہ میں عدل و انصاف برقرار کرنے کا ذریعہ ہے۔ پس اسلامی نقطۂ نظر سے مختصر طور پر سیاست کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ "سیاست" عدل و انصاف کے قیام کے لئے حکومت چلانے کے فن اور ذکاوت و ذہانت کا نام ہے۔

پیشہ ور سیاستداں اور اسلامی سیاستداں

پیشہ ور سیاست داں کا مقصد حکومت کرنا ہے۔ لہٰذا جو چیز اسے اس مقصد سے قریب کرے وہی سیاست ہے۔ وہ سچ ہو یا جھوٹ، استبداد ہو یا جمہوریت، عدل ہو یا ظلم، اسلام ہو یا کفر، اس کی سیاست اسے بہشت کی طرف لے جائے یا جہنم میں جھونک دے لیکن اسلامی سیاست داں کا مقصد معاشرہ میں وسیع پیمانہ پر عدل و انصاف کا قیام ہے لہٰذا صرف وہی سیاست اپنا سکتا ہے جس کے نتیجہ میں معاشرہ عدل و انصاف سے مالا مال ہو جائے۔

دوسرے لفظوں میں پیشہ ور سیاست داں کی نظر میں حکومت ہی مقصد ہے جب کہ اسلامی سیاستداں کی نظر میں حکومت قیام عدل کا وسیلہ ہے۔ لہٰذا جو وسیلہ بھی حکومت تک پہنچا سکے، پیشہ ور سیاستداں کی نظر میں مباح ہے لیکن اسلامی سیاستداں کے نزدیک مباح نہیں ہے۔

تم زیادہ سیاست جانتے ہو یا میں

عدی بن ارطاۃ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن معاویہ نے عمرو عاص سے کہا:

تم زیادہ سیاست جانتے ہو یا میں؟

عمرو عاص نے بڑا نپا تلا جواب دیا :

انا للبدیھۃ و انت للرویۃ "

غور و فکر کئے بغیر میں اور غور و فکر کر کے تم !

یعنی میں تم سے زیادہ جلد فیصلہ کرتا ہوں لیکن اگر تم غور و فکر کرو تو زیادہ مضبوط سیاسی منصوبہ بنا سکتے ہو۔ لہٰذا جن مسائل میں فوری اقدام و سیاسی منصوبوں کی ضرورت ہے میں تم سے زیادہ ذہین ہوں اور جن مسائل میں غور و فکر کرنے کی فرصت ہے تم مجھ سے بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔

معاویہ نے کہا: تم نے میرے حق میں اور اپنے خلاف رائے دی ہے میں غور و فکر کئے بغیر بھی تم سے زیادہ ذہین ہوں

عمرو: اگر ایسا ہی ہے تو جس وقت قرآن نیزہ پر بلند کیا گیا تمھاری سیاسی ذہانت کہاں تھی؟

معاویہ: تم سچ کہتے ہو۔ تم مجھ سے جیت گئے۔ لیکن ایک سوال تم سے پوچھنا چاہتا ہوں صحیح جواب دو گے ؟

عمرو: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو، خدا کی قسم جھوٹ بری چیز ہے !

معاویہ: جب سے تم ہماری معیت و خیر خواہی کا اظہار کر رہے ہو کبھی تم نے مجھے فریب دینے کی کوشش کی ہے ؟!

عمرو : نہیں

معاویہ: خدا کی قسم تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ البتہ میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے ہمیشہ مجھے دھوکا دیا ہے۔ لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایک مرتبہ ایسا ضرور ہوا ہے !

عمرو: کب ؟

معاویہ: جس وقت علیؑ نے مجھے مقابلہ کی دعوت دی، میں نے تم سے مشورہ کیا، تم نے جواب دیا: عظیم و کریم حریف ہے۔ اور اس طرح تم نے مجھے مشورہ دیا کہ علیؑ سے مقابلہ کرنا مصلحت ہے حالانکہ تم جانتے تھے کہ علیؑ کون ہیں ؟ پس واضح ہے کہ اس مقام پر تم نے میرے ساتھ خیانت کی ہے !

عمرو: اے امیر المومنین ! قدر و منزلت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ایک کریم شخص نے آپ کو اپنے مقابلہ میں آنے کی دعوت دی تھی۔ ان سے مقابلہ میں

دو نیکیوں میں سے ایک نیکی آپ کے ہاتھ آتی[1]، یا آپ انھیں قتل کر دیتے۔ ایسی صورت میں آپ نے ایسے کو قتل کیا ہوتا جس نے بہت سے حریفوں کو ہلاک کیا ہے اس طرح آپ کی شرافت و عزت میں اضافہ ہوتا اور آپ کی حکومت کا کوئی رقیب نہ رہ جاتا اور یا آپ قتل ہو جاتے، ایسی صورت میں آپ کو جلد از جلد شہدا و صالحین کی مصاحبت نصیب ہو جاتی جو قرآن کے بیان کے مطابق بہترین ساتھی ہیں، لہٰذا اس مشورہ میں کسی قسم کی خیانت کا عنصر نہیں پایا جاتا۔

معاویہ: تمھارا یہ نظریہ بھی اس خیانت سے بدتر خیانت ہے! خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ اگر میں انھیں قتل کر دوں گا تو جہنم میں جاؤں گا اور اگر وہ مجھے قتل کر دیں پھر بھی جہنم میں جاؤں گا!

عمرو: اگر ایسی ہی بات ہے تو پھر ان سے جنگ کیوں کر رہے ہیں؟!

معاویہ: "الملک عقیم"، حکومت و اقتدار جنت و جہنم کو نہیں سمجھتا! لیکن یہ بات یاد رکھو کہ میری یہ بات تمھارے سوا کوئی اور نہ سن سکے[2]"

"الملک عقیم"، تاریخ کے تمام سیاست بازوں کی یہی سیاست رہی ہے لیکن اسلام کی سیاست یہ نہیں ہے۔ اسلام کی سیاست حکومت برائے عدل ہے اسلام کی سیاست وہی ہے جو پیغمبر اسلامؐ کا عمل تھا، وہی سیاست جس پر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کاربند رہے۔

---

[1] سورہ توبہ کی آیت ۵۲ کی طرف اشارہ ہے "قل ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین"

[2] امالی صدوق۔ ص ۶۹

اموال کے بارے میں خلیفۂ ثانی کا نظریہ

جناب سید جعفر مرتضیٰ عاملی
ترجمہ: جناب ممتاز علی

حقیقت امر یہ ہے کہ اموال کے بارے میں جس عقیدہ اور نظریہ کی نسبت ابوذر کی طرف دی جاتی ہے وہ ان کا نظریہ نہیں تھا۔ جو مطالب ہم نے گزشتہ صفحات میں پیش کئے ہیں ان کی بنا پر اس قول کی نسبت ابوذر کی طرف دینا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جائے کہ یہ کہنا کہ "ابوذر انسان کی ضرورت سے بچ رہنے والے مال کا انفاق شرعی طور پر واجب جانتے تھے" درحقیقت یہ ابوذر کا قول نہیں ہے بلکہ شرع کا نظریہ تھا البتہ وہ اس کا نفاذ نہ کر سکے۔

رفاعی لکھتے ہیں کہ عمر بن خطاب کا نظریہ یہ تھا کہ صنعتی اور زرعی وسائل کا رکھنا مسلمان پر حرام ہے اس لئے کہ ان کی روزی ان کی اور ان کے بال بچوں کی ضرورت کی چیزیں، تو بیت المال سے مہیا ہوتی ہیں۔ اس لئے ایسے وسائل زائد از احتیاج ہیں اور ان کا رکھنا ضروری نہیں ہے[1]۔

ایک دوسری روایت بھی ہے جس کی سند کو ابن حزم نے بہت عمدہ کہا ہے اس روایت میں خلیفۂ دوم سے منقول ہے، وہ کہتے تھے:

---

[1] ۔ عصر المامون جلد ۱ ص ۲ / الغدیر منقول از عصر المامون

"اگر میں ابتدائے خلافت میں یہ سمجھ گیا ہوتا کہ ایسے حالات پیش آئیں گے تو میں آغاز ہی میں دولتمندوں سے ان کی احتیاج سے زیادہ بچ رہنے والے مال کو لے کر فقراء و مہاجرین میں تقسیم کر دیتا[۷]"

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر آخر کیوں چاہتے تھے کہ ضرورت سے بچ رہنے والے مال کو صرف "مہاجرین" میں تقسیم کر دیں؟ کیا انصار کے درمیان فقراء موجود نہ تھے؟

اس سوال کا جواب بہت آسان ہے اور وہ یہ کہ انصار سے بے اعتنائی اور ان کو اہمیت نہ دینا پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ اس کی بہت سی وجہیں ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے لیکن نمونہ کے طور پر چند نکتوں کی طرف اشارہ کر دوں:

۱۔ انصار کی اسلام کے شایان شان خدمت، قریش اور کفار مکہ سے جنگ اور دوسرے اسلامی غزوات میں دلیرانہ کارنامے اس بات کا باعث بنے کہ قریش اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی انصار کی طرف دوستی اور محبت کا ہاتھ نہ بڑھا سکے۔

۲۔ انصار کی طرف سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حمایت اور ان کا سقیفہ کے ابتدائی دنوں میں آپ کی طرف میلان اس مسئلہ کی دوسری وجہ ہے۔

۳۔ سعد بن عبادہ کے واقعہ میں انصار نے جس ردّعمل کا اظہار کیا پیغمبرؐ کی وفات کے بعد قریش کے انصار کے ساتھ سوتیلے سلوک کی ایک علت یہ بھی ہے۔

یہ مسائل اور بہت سے دوسرے مسائل اس بات کا باعث بنے کہ حاکم جماعت جو مہاجرین مکہ اور قبائل قریش پر مبنی تھی ــــ انصار کے قانونی حقوق کو ضائع کریں۔

چند نکتے

علامہ محقق حاج سید مہدی روحانی نے اس بارے میں چند نکات کا ذکر کیا ہے۔

۷۔ الغدیر جلد ۸ ص ۲ منقول از المحلی ابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۸ / تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۲۔

جن کو ہم یہاں کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ بنی امیہ نے کبھی بھی اس بات کو قبول نہیں کیا کہ بیت المال خدا کا مال ہوتا ہے۔ اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو کچھ بیت المال میں ہے، اپنے تمام متعلقات کے ساتھ ان کا اپنا مال ہے ۔۔ اس بات کو تین دلیلوں کے ذریعہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔

پہلی دلیل

شورش کرنے والوں کے ہاتھوں عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں کو بھیجا تاکہ وہ اسلحے اور اونٹ جو عثمان کے گھر میں تھے ۔۔ اور وہ بیت المال سے متعلق تھے ۔۔ ان کو واپس لے کر بیت المال کی تحویل میں دے دیں۔

ولید بن عقبہ نے اس سلسلہ میں کچھ اشعار کہے ہیں ان میں کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے:

بنی ھاشم ردوا سلاح ابن اختکم
ولا تنھبوا لا تحل مناھبه

بنی ھاشم کیف الھوادة بیننا
وعند علی سیفه ونجائبه

بنی ھاشم کیف التّودد بیننا
وتبر ابن اروی عندکم وجوائبه

اے بنی ہاشم اپنی بہن کے بیٹے کے اسلحے واپس کر دو اور ان کو برباد نہ کرو۔ ان کو برباد کرنا، ناروا ہے۔ اے بنی ہاشم ہمارے اور تمہارے درمیان کس طرح صلح ہو سکتی ہے، جب کہ عثمان کی تلواریں اور گھوڑے علی کے پاس ہیں؟ اے بنی ہاشم ہمارے اور تمہارے درمیان کیسے صفائی رہ سکتی ہے جب کہ عثمان کا سونا چاندی تمہارے پاس ہے۔

ابو الفرج اپنی کتاب میں مندرجہ ذیل دو شعر بھی نقل کرتے ہیں:

بنی ھاشم لا تعجلوا باقادۃ
سواء علینا قاتلوہ وسالبہ

فقد یجبر العظم الکبیر وینبری
لذی الحق یوماً حقہ فیطالبہ

اے بنی ہاشم تم انتقام میں جلدی نہ کرو، ہمارے نزدیک ان کے مال کو لوٹنے والے اور قاتل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ ٹوٹی ہوئی ہڈی دوسری بار جوڑی جائے اور جن کا حق پامال ہو گیا ہے وہ اپنا حق لے لیں[1]۔

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ: کہا جاتا ہے کہ وہ گھوڑے، زرہ اور دوسری چیزیں جو عثمان کے گھر میں (جیسے ذاتی اور خصوصی اموال) تھیں وہ سب مال فَے سے تھیں یعنی ان کا تعلق تمام مسلمانوں سے تھا لیکن عثمان نے ان سب کو اپنا بنا لیا تھا اور انھوں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تھا۔ جب علی علیہ السلام مسند حکومت پر آئے تو آپ نے ان سب کو واپس لے کر بیت المال میں جمع کر دیا[2]۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل سعید بن العاص کا مندرجہ ذیل قول ہے
"عراق، قریش کی وجہ سے باغی ہے"۔
بزرگان کوفہ نے اسی سبب سے ان پر اعتراض کیا اور عثمان سے ان کی شکایت کی لیکن عثمان اور تمام بنی امیہ نے (لوگوں کی شکایت کے مقابل) ان کی پشت پناہی کی اور اس میں کوئی بحث

---

[1] ۔ کتاب الجمل تالیف شیخ مفیدؒ ص ۱۱۳ / اغانی ابو الفرج اصفہانی، جلد ۴ ص ۱۰۶-۱۰۵، ۱۸۰-۱۷۹
نسب قریش مصعب زبیری ص ۱۴۰-۱۳۹

[2] ۔ الجمل، شیخ مفید ص ۱۱۶

نہیں ہے کہ یہی بات مسلمانوں کی شدید ردعمل کا باعث بنی ہے[1]

تیسری دلیل

تیسری دلیل معاویہ کا قول ہے معاویہ نے کہا کہ :

"مال اللہ لنا والارض ارضنا" یعنی اللہ کا مال ہمارا ہے اور زمین ہماری ہے "صعصعہ بن صوحان" اور "احنف بن قیس" نے اس بات پر اعتراض کیا ۔

چوتھی دلیل

۱۔ چوتھی دلیل مروان کا قول ہے ۔ سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ : ابن ہرمار لیثی جو مروان کے ہمنشینوں اور ندیموں میں تھا کہتا تھا ایک دن مروان کے سامنے "فی" کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی لوگوں نے کہا کہ "فی" مال خدا ہے اور خدا نے اس کا مصرف بیان کیا ہے ۔ اور عمر نے بھی اس کو اسی مصرف میں خرچ کیا ! مروان نے کہا کہ مال معاویہ کا ہے وہ جس کو چاہیں نہ دیں وہ جو کریں وہی صحیح ہے[2] !!!

۲۔ جو لوگ عثمان و معاویہ اور دوسرے بنی امیہ سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور ابوذر پر کبھی سوشلسٹ کبھی کمیونسٹ اور کبھی مخالف قرآن و مخالف ضروریات دین ہونے کا الزام لگاتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جو خود ان الزامات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ۔

بقول صلاح المنجد (کتاب بتفقہ الاسلام) کمیونسٹ ، جامع الازہر اور اوقاف مصر میں گھس آئے ہیں ۔

۱۔ الغدیر ج ۹ ص ۳۲-۳۱ پر اس سلسلے میں بہت سے حوالے درج ہیں ۔

۲۔ نسب قریش مصعب الزبیری ص ۳۵ و تہذیب تاریخ ابن عساکر ج ۴ ص ۴۲۲ نسب قریش مختصر الاغانی ج ۴ ص ۱۸۶ و ۱۸۷ اور طبری ج ۲ ص ۲۷۵ اور الاصابہ سے نقل کیا ہے ۔

الازہر وہی جگہ ہے جہاں "گروہ فتویٰ" کے نام سے ایک جماعت کی تشکیل ہوئی ہے تاکہ ابوذر کو کمیونسٹ اور مخالف اسلام کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے!

اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جب روس کے سربرآوردہ افراد، مصر آئے تھے تو اس وقت ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر قاہرہ کے ہوائی اڈہ پر "الکسی کاسیگین" اور روس کے وزیراعظم کا استقبال کرنے کے لئے تشریف لائے۔

۳۔ خلافت عثمان، اسلامی فرقوں میں سے بعض کے عقیدہ کا بنیادی جزو ہے جب اسی عقیدہ کے لوگ ابوذر کے ساتھ عثمان کے ناروا سلوک پر متوجہ ہوئے تو انھوں نے اس کی توجیہ کرنا شروع کردی اور اسی توجیہ کے سلسلہ میں پھر ان کے لئے یہ بات ناگزیر ہوگئی کہ ابوذر کو بھینٹ چڑھادیں اور ان کی طرف ناروا باتیں منسوب کریں تاکہ شاید اس طرح عثمان کو الزامات سے بچا سکیں اور ان کو پاک و پاکیزہ ثابت کرسکیں۔

تاریخ اسلام کا تحقیقی جائزہ

جناب خدیجہ سے ازدواج

جناب ہاشم رسولی محلاتی

ترجمہ: جناب احتشام عباس زیدی

عام طور سے مورخوں نے لکھا ہے کہ اس مبارک و مسعود شادی کا واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ جناب ابوطالب کے مشورے یا جناب خدیجہ کی درخواست کی بنا پر حضرت رسول خداؐ نے اجرت پر یا مضاربہ کے عنوان سے جناب خدیجہ کے لئے تجارت کا سفر شروع کیا۔ آنحضرتؐ کی تدبیر اور دور اندیشی سے اس سفر کے ذریعہ خدیجہ کو بڑا نفع ہوا اسی وجہ سے وہ خاتون اس رشتہ کی طرف مائل ہوئیں اور شادی کے مقدمات فراہم ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔

البتہ خود یہ واقعہ اور اس میں ذکر شدہ بعض خصوصیات تنقید کا سبب اور تحقیق طلب ہیں جن کا جائزہ ہم بعد میں لیں گے۔

بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب خدیجہ کے دل میں ازدواج کا اشتیاق آنحضرتؐ کے سفر تجارت پر جانے سے پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا اور مذکورہ سفر کے واقعات نے بفرض صحت، اس اشتیاق اور لگاؤ میں مزید مدد کی۔

ابن شہر آشوبؒ نے اپنی کتاب مناقب میں روایت نقل کی ہے کہ ایک عید کے روز قریش کی عورتیں مسجد الحرام میں جمع ہوئی تھیں کہ ایک یہودی ان کے پاس آکر بولا:

«لیوشک ان یبعث فیکن نبیّ فایکن استطاعت ان تکون له ارضاً یطأها فلتفعل»۔

عنقریب تمھارے درمیان ایک پیغمبر مبعوث ہوگا پس تم عورتوں میں سے جو بھی اس کے لئے بہترین زمین ہموار کرسکے تو اسے چاہئے کہ ایسا ضرور کرے ۔۔۔،،

زنان قریش نے اس کی جسارت اور گستاخی پر اسے ریت اور سنگریزوں سے مار کر بھگا دیا لیکن اس یہودی کی بات نے جناب خدیجہ کے دل میں ایک برقی لہر پیدا کردی، جو ان ہی عورتوں کے درمیان موجود تھیں ۔ اور آپ کے دل میں پیغمبر اسلام کی محبت پیدا ہوگئی۔۔۔۔،

البتہ مزید وضاحت کے لئے یہ بات بھی اس حدیث میں شامل کرنا چاہئے کہ روایات کے مطابق خدیجہ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے بھی، جو آسمانی ادیان اور انبیاء الٰہی سے متعلق معلومات رکھتا تھا اور اس سلسلہ میں اس نے کتابیں بھی پڑھی تھیں، آنحضرت کے ظہور کی خبر دی تھی اور بعض اوقات ان روایات کو آنحضرتؐ پر منطبق جانتا تھا ۔۔۔ وہ بعض تفصیل جو رسول اللہ کے تجارتی سفر کے واقعہ میں بیان ہوگی یوں ہی دوسری روایات، خبریں اور پیشنگوئیاں ان کی روشنی میں جناب خدیجہ کافی حد تک پُر امید ہوگئی تھیں کہ وہ پیغمبر حضرت محمدؐ ہوں گے ۔ البتہ ممکن ہے اس نقل شدہ سفر کے واقعہ نے بھی اس لگاؤ اور امید میں مدد کی ہو ۔۔۔۔

جناب خدیجہ کے لئے رسول خدا کے تجارتی سفر کا واقعہ اجمال و تفصیل سے نقل ہوا ہے اور شیعہ و اہل سنت کی کتابوں میں مذکور ہے ۔ ہم نے اس کی تفصیل کتاب زندگانی رسول خداؐ میں بیان کردی ہے ۔ یہاں ہم ذیل میں بھی اسے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اس واقعہ کا تجزیہ و تحلیل اور اس پر نقد و تبصرہ کریں گے۔

خدیجہ کے لئے آنحضرتؐ کا تجارتی سفر

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت رسول خداؐ خدیجہ کا تجارتی قافلہ لے کر شام کے سفر کے لئے آمادہ ہوئے جب آپ چلنے لگے تو خدیجہ نے اپنے غلام "میسرہ"

کو بھی آنحضرتؐ کے ہمراہ روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ ہر جگہ حضرتؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور ان کے حکم سے سرتابی نہ کرنا۔

آنحضرتؐ کے چچا، خاص طور سے جناب ابوطالبؑ بھی روانگی کے وقت قافلہ والوں کے پاس آئے اور ان لوگوں سے آنحضرتؐ کا خیال رکھنے کی سفارش کی اس طرح قافلہ شام کی جانب روانہ ہوا اور رخصت کرنے والے اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ حضرت رسول خداؐ کا بابرکت وجود ہر جگہ برکت اور نعمت کی فراوانی کا باعث ہوتا تھا، اس کا موجب ہوا کہ چند سال پہلے کی مانند اس بار بھی مکہ کے قافلہ کو کافی فائدہ ہوا اور انھیں گزشتہ سفروں کی طرح کسی رنج و تعب و مشقت کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑا، لہٰذا قافلہ والے معمول سے پہلے ہی شام سے واپس آگئے۔

مورخین نے عام طور سے لکھا ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ شام کے نزدیک ــــ یا اسی شہر بصریٰ ــــ پہنچے تو ایک کلیسا کے قریب سے گزرے اور اسی کے نزدیک ایک درخت کے نیچے ٹھہرے۔ اس کلیسا میں "نسطورا" نام کا ایک راہب تھا اس کی "میسرہ" سے جو گزشتہ سفروں میں بھی ادھر سے گزرا کرتا تھا، جان پہچان تھی۔ "نسطورا" نے اپنے کلیسا کے اوپر سے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھا تھا جو قافلہ والوں پر سایہ کئے ہوئے تھا اور وہ وہاں ٹھہر گیا جہاں حضرت محمدؐ نے درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا۔

میسرہ جو اپنی مالکہ کے حکم کے مطابق ہر جگہ آنحضرتؐ کے ہمراہ تھا اور آپ سے دور نہیں ہوتا تھا اس نے اچانک نسطورا کی آواز سنی جو اسے پکار رہا تھا۔ میسرہ نے مڑکر اسے جواب دیا، کہو کیا ہے؟

نسطورا: یہ شخص جو درخت کے نیچے آرام کر رہا ہے کون ہے؟

میسرہ: اہل قریش اور اہل مکہ میں سے ایک شخص ہے!

نسطورا: خدا کی قسم اس درخت کے نیچے پیغمبر کے علاوہ کوئی اور آکر نہیں ٹھہرا ہے

اس کے بعد اس نے میسرہ اور اہل قافلہ سے آنحضرت کے سلسلہ میں تاکید کی اور مستقبل میں آنحضرتؐ کی نبوت کی پیشگوئی کی۔

خرید و فروخت اور اجناس کی تبدیلی کا کام ختم ہوا اور قافلہ مکہ واپسی کے لئے آمادہ ہوا تو میسرہ نے راستہ میں حساب و کتاب کیا اس نے دیکھا کہ اس سفر میں خدیجہ کو بہت زیادہ منافع ہوا ہے۔ وہ رسول خداؐ کے پاس آیا اور بولا: ہم برسہا برس سے خدیجہ کے لئے تجارت کر رہے ہیں لیکن ہمیں کسی سفر میں اتنا فائدہ نہیں ہوا۔ وہ بہت خوش تھا کہ جلد از جلد مکہ پہنچ کر خدیجہ کو یہ خوشخبری سنائے۔

جب قافلہ مکہ کی پشت پر وادی "مرّ الظہران" میں پہنچا تو میسرہ آنحضرتؐ کے پاس آکر بولا: بہتر ہے کہ آپ قافلہ سے پہلے مکہ پہنچیے اور سفر کے واقعات نیز اس تجارت میں ہونے والے عظیم منافع کی اطلاع خدیجہ کو دیجیے۔

دوپہر کے قریب جناب خدیجہ اس حجرہ میں بیٹھی تھیں جو مکہ کی گلیوں کی جانب کھلتا تھا۔ اچانک آپ نے دیکھا کہ دور سے ایک سوار ان کے گھر کی طرف آرہا ہے، بادل کا ایک ٹکڑا اس کے اوپر سایہ کئے ہوئے ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہا ہے سوار نزدیک آیا اور خدیجہ کے گھر کے دروازہ پر اترا، خدیجہ نے دیکھا کہ آپ حضرت محمدؐ ہیں اور سفر تجارت سے واپس پلٹے ہیں۔ خدیجہ نے اشتیاق کے ساتھ گھر میں بلایا حضرتؐ نے شیریں اور دلکش انداز میں سفر کا حال بیان کیا اور خدیجہ کو جو عظیم منافع ہوا تھا اس کی تفصیل بیان کی خدیجہ آنحضرتؐ کے انداز گفتگو میں محو ہو گئی تھیں اور برابر اس بادل کے ٹکڑے کی فکر میں تھیں، جب حضرتؐ کی باتیں ختم ہوئیں تو آپ نے پوچھا:

میسرہ کہاں ہے؟

فرمایا: پیچھے پیچھے آرہا ہے۔

خدیجہ جو یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ بادل کا وہ ٹکڑا ان پر سایہ کرنے کے لئے دوبارہ آتا ہے یا نہیں، آپؐ سے بولیں کہ بہتر ہے کہ تشریف لے جائیں اور دوبارہ اس کے ہمراہ آئیں!

جب آنحضرتؐ گھر سے باہر تشریف لے گئے تو خدیجہ وہ منظر دیکھنے کے لئے دوبارہ اسی حجرہ میں آگئیں۔ آپ نے حیرت و تعجب کے عالم میں دیکھا کہ وہی بادل آکر آنحضرتؐ کے سر پر سایہ فگن ہو گیا، یہاں تک کہ آپ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد میسرہ بھی آگیا اور اس نے سفر کے حالات جو کچھ دیکھے تھے اور جو کچھ نسطورا راہب سے سنا تھا سب خدیجہ سے بیان کر دیا ساتھ ہی خدیجہ نے اس مرد یہودی سے پہلے جو بات سنی تھی ان تمام باتوں نے ان کے دل میں آنحضرتؐ سے ازدواج کا شوق پیدا کر دیا خدیجہ نے اس تجارت کی اجرت کے طور پر آنحضرتؐ کو چار اونٹ دیئے اور میسرہ کو بھی خوشخبری سنانے کے انعام میں آزاد کر دیا پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو عیسائی اور آسمانی کتابوں کا بڑا عالم تھا اور اس سے حضرت محمدؐ کے سفر شام کے واقعات جو سنے تھے اور جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا۔

خدیجہ جب سب کچھ بیان کر چکیں تو ورقہ نے ان سے کہا: اے خدیجہ جو کچھ آپ نے کہا اگر سچ ہے تو سن لیجئے کہ محمدؐ اس امت کے پیغمبر ہوں گے اور میں بھی اپنی معلومات کے مطابق ایسے پیغمبر کے ظہور کا منتظر ہوں اور جانتا ہوں کہ اس وقت کا ایک پیغمبر ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ آپہنچا ہے۔

یہ سب واقعات جو تھوڑے ہی عرصہ میں خدیجہ کو پیش آئے انھوں نے آنحضرتؐ سے ازدواج کا اشتیاق ان کے دل میں زیادہ کر دیا اور اگرچہ قریش کی بڑی بڑی شخصیتیں ان سے رشتہ کرنے کی خواہشمند تھیں اور انھوں نے سب کو جواب دے دیا تھا لیکن آنحضرتؐ سے ازدواج کے لئے اپنا شوق ظاہر کرنے کے لئے خود کوشش کی۔ اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی ہمدرد اور قریش کی ایک خاتون "نفیسہ بنت منیہ" سے اپنے دل کی بات کہی اور خصوصی طور سے اسے حضرتؐ کے پاس بھیجا کہ وہ جس طرح بہتر سمجھے آنحضرتؐ کے سامنے یہ بات رکھے۔ نفیسہ حضرت محمدؐ کے پاس آئی اور عرض کیا: اے محمدؐ آپ شادی کیوں نہیں کرتے۔؟

: میرے پاس کیا ہے جو میں شادی کروں؟

: اگر میں مشکل آسان کر دوں اور ایک شریف و اصیل گھرانے کی خوبصورت اور مالدار عورت آپ کے لئے تلاش کر دوں تو کیا آپ آمادہ ہیں؟

: ایسی عورت کہاں مل سکتی ہے۔؟

: میں یہ کام کر دوں گی اور خدیجہ کو اس کے لئے آمادہ کر دوں گی۔ پھر وہ خدیجہ کے پاس آئی اور سارا واقعہ ان سے بیان کر دیا اور کہا کہ بات آگے بڑھائی جائے آخر کار بات حضرت رسول خداؐ اور خدیجہ کے چچاؤں اور دیگر اعزا تک پہنچی اور عقد کی محفل کا انعقاد کیا گیا۔

بعض روایات مثلاً سیرت ابن اسحاق میں "نفیسہ" اور اس کی وساطت کا ذکر نہیں ملتا اور اس سفر تجارت کے بعد ازدواج کی درخواست خود خدیجہ کی طرف سے بلاواسطہ نقل ہوئی ہے سیرت ابن اسحاق کی عبارت یہ ہے :

«...وكانت خديجه امراة حازمة شريفة لبيبة، مع ما اراد الله بها من كرامته، فلما اخبرها ميسرة بما اخبرها به بعثت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت له ـ فيما يزعمون ـ يابن عم: اني قد رغبت فيك لقرابتك وسطتك في قومك، وامانتك وحسن خلقك وصدق حديثك، ثم عرضت عليه نفسها، وكانت خديجه يومئذ اوسط نساء قريش نسباً واعظمهن شرفاً، واكثرهن مالا، كل قومها كان حريصا على ذلك منها لو يقدر عليه» ۱

یعنی خدیجہ ایک دور اندیش، شریف اور عقلمند خاتون تھیں اور خداوند عالم نے بھی انھیں عزت و شرف بخشنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے جب میسرہ نے سفر تجارت کے واقعات ان سے بیان کئے تو انھوں نے رسول خداؐ کو پیغام بھجوایا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے یہ پیغام دیا کہ اے چچازاد بھائی: میں آپ کی شرافت اور خاندانی قرابت، امانت، صداقت اور حسن اخلاق کی بنا پر آپ سے ازدواج کرنے کی خواہشمند ہوں۔ اس طرح انھوں نے خود کو آنحضرتؐ سے شادی کے لئے پیش کیا۔ خدیجہ اس زمانہ میں نسب کے اعتبار سے قریش میں سب سے برتر اور دولت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار خاتون تھیں

اور تمام اہل مکہ ان سے ازدواج کے خواہاں تھے۔۔۔۔"

البتہ یہ روایت دوسری روایات کے ساتھ جمع کی جاسکتی ہے جیسا کہ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ پہلے خدیجہ نے مزاج پرسی اور عندیہ لینے کے لئے نفیسہ کو آنحضرت کے پاس بھیجا ہو اس کے بعد آنحضرت کی رضامندی دیکھتے ہوئے خود براہ راست ان سے ازدواج کی پیشکش کی ہو۔

یہ تھا اصل واقعہ اور اس کے ساتھ عقد کے مراسم، لیکن نقد و تبصرہ کے طور پر اس واقعہ کے چند مطالب پر گفتگو ضروری ہے۔

اس واقعہ پر نقد و تبصرہ

۱۔ پہلی بات جو لائق بحث ہے وہ اصل واقعہ کی صحت و سقم اور تاریخی نقطۂ نظر سے اس کا اثبات ہے کیوں کہ یہ واقعہ بھی حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ آنحضرتؐ کے پہلے سفر کے مانند قابل تردید ہے اور اس بارے میں ان روایات کے علاوہ کوئی یقینی اور مستند روایت ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ جو ابن اسحاق جابر اور خزیمہ سے بغیر سند کے یا مرفوع نقل ہوئی ہیں جن کا حدیث شناسوں کی نظر میں کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہ بات صاحبان فن سے پوشیدہ نہیں ہے اور وہی خدشات جو بحیرہ راہب اور آنحضرتؐ کے پہلے سفر کے سلسلہ میں تھے اس واقعہ میں بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ واقعہ کسی معتبر حدیث میں نقل نہیں ہوا ہے۔

۲۔ عام طور سے ان تمام روایات میں ایک جملہ نظر آتا ہے کہ خدیجہ نے آنحضرت کو اجیر کیا۔۔۔ اور یہی واقعہ آنحضرتؐ کے ازدواج کا سبب قرار پایا، جب کہ ایک دوسری حدیث میں عمار بن یاسر سے نقل ہے اور یعقوبی نے اسے اپنی تاریخ میں لکھا ہے عمار یاسر کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے ازدواج کے واقعہ کا حضرتؐ کے اجیر ہونے اور ان کے سفر پہ جانے سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے اور بنیادی طور سے آنحضرتؐ اپنی پوری زندگی میں نہ خدیجہ اور نہ کسی اور کے اجیر ہوئے ہیں نہیں ۔۔۔ عمار یاسر کی روایت یہ ہے:

«انا اعلم بتزويج رسول الله «ص» خديجه بنت خويلد، كنت صديقا له فاتاً لنمشي يوماً بين الصفا والمروه اذبخديجه بنت خويلد واختها هاله، فلما رات رسول الله «ص» جائتني هاله اختها، فقالت: يا عمار ما لصاحبك حاجه في خديجة؟ قلت: والله ماادري! فرجعت فذكرت ذلك له، فقال: ارجع فواضعها وعدها يوماً تاتيها...»

یعنی میں آنحضرتؐ کے خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ ازدواج کے واقعہ سے سب سے زیادہ آگاہ ہوں، میں آنحضرت کا قریبی دوست اور رفیق تھا۔ ایک روز میں حضرت رسول خداؐ کے ہمراہ تھا ہم لوگ صفا و مروہ کے درمیان چہلقدمی کر رہے تھے کہ اچانک خدیجہ اور ان کی بہن ہالہ نمودار ہوئیں اور جب خدیجہ نے حضرت رسول خداؐ کو دیکھا تو ان کی بہن ہالہ میرے پاس آئی اور بولی:

اے عمار یاسر! کیا تمہارا دوست خدیجہ کے ساتھ ازدواج نہیں کرنا چاہتا؟

میں نے کہا: خدا کی قسم مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اس گفتگو کے بعد وہ واپس چلی گئی اور میں نے یہ بات آنحضرتؐ سے بیان کر دی۔ آپؐ نے فرمایا: واپس جاؤ اور اس سلسلہ میں گفتگو کے لئے ان لوگوں سے دن طے کر لو۔

اس روایت کے آخر میں ہے کہ:

«... وانه ما كان مما يقول الناس انها استاجرته بشيء ولا كان اجيراً لاحدٍ قطّ»[1]

یعنی واقعہ وہ نہیں ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ خدیجہ نے رسول خداؐ کو کسی کام کے لئے اجیر کیا تھا۔ آنحضرتؐ کبھی بھی کسی کے اجیر نہیں ہوئے،،

البتہ یہ روایت بھی پچھلی روایات کی مانند اعتبار نہیں رکھتی اور یعقوبی نے بھی اسے یوں نقل کیا ہے:

---

[1] تاریخ یعقوبی، ج ۲ ص ۱۲

«روی بعضہم عن عمار یاسر ۔۔۔!

اور روایت کے متن میں بھی ایک مخدوش جملہ نظر آتا ہے جو اسے پچھلی روایات سے بھی کم اعتبار اور اس کی صحت کو زیادہ مشتبہ بناتا ہے ۔۔۔»

مگر یہ کہ ہوا کہ یہ آنحضرت رسول خدا کا خدیجہ کے لئے کام کرنا مضاربہ اور منافع میں شرکت کے طور پر تھا اصطلاحاً "مزدوری" کے عنوان سے نہیں تھا چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے مثلاً کشف الغمہ کی روایت جو بحار الانوار میں نقل ہوئی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے!

«... كانت خديجه بنت خويلد امرأة تاجرة ذات شرف ومال تستأجر الرجال في مالها، وتضاربهم اياه بشيء تجعله لهم منه...» [1]

سیرت ابن ہشام کی روایت بھی کسی کمی اور زیادتی کے بغیر یہی ہے [2]۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری روایتوں میں "اجیر" اور "استیجار" کی تعبیر بھی ممکن ہے اسی مضاربہ کے معنی میں ہو اور اس لحاظ سے عبارت کے مطلب میں بھول چوک ہوئی ہو ۔۔۔

۳۔ جیسا کہ پچھلی روایات اور عمار یاسر کی روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ہم اس سفر تجارت کے واقعہ کو صحیح مان بھی لیں تو اس کا آنحضرتؐ اور جناب خدیجہ کے ازدواج سے ربط ثابت نہیں ہوا۔ اس جہت سے بھی یہ روایات قابل بحث و تحقیق ہے اور ان کے مخدوش ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۶ ص ۹

۲۔ سیرۃ ابن ہشام، ج ۱ ص ۱۸۷

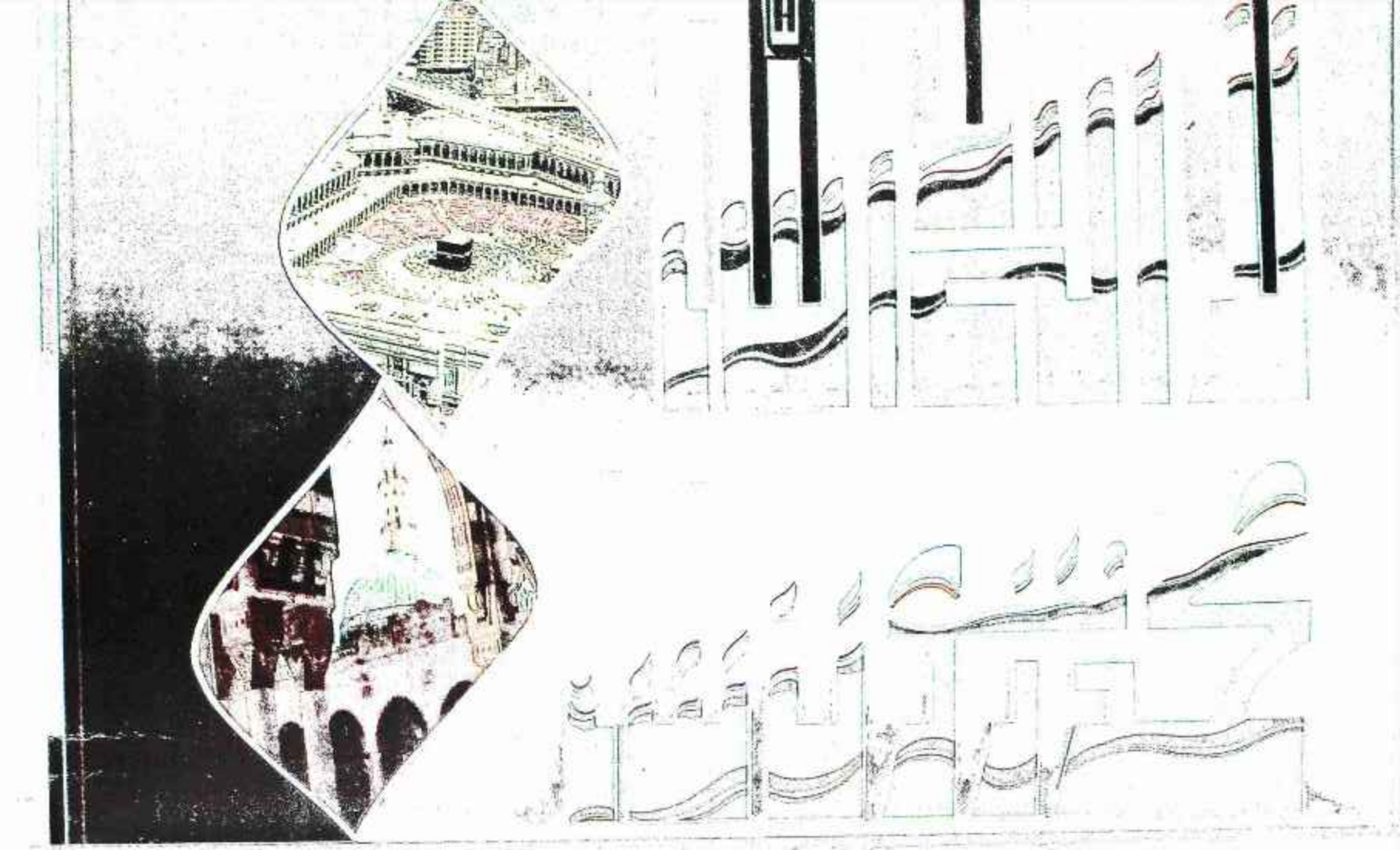

قرآن سے اُنس

"میرے بیٹے! قرآن۔ معرفت کی اس عظیم کتاب سے انس پیدا کرو چاہے اس کی تلاوت ہی کے ذریعہ سہی۔ اس کے وسیلہ سے اپنے محبوب کی جانب راہ کھولو اور یہ تصوّر نہ کرو کہ بغیر معرفت، تلاوت کا فائدہ نہیں ہے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ آخر یہ کتاب تمہارے اور ہر شخص کے لئے محبوب کی طرف سے ہے اور محبوب کا خط محبوب ہے، اگرچہ عاشق اور چاہنے والا اس کے مفاد کو نہ جانتا ہو، ہوسکتا ہے اس کے ذریعہ محبوب کی محبّت جو کمال مطلوب ہے تمہارے اندر پیدا ہو اور تمہاری دست گیری کرے۔ اگر ہم اپنی عمر کے تمام لمحوں میں اس پر سجدۂ شکر ادا کرتے رہیں کہ قرآن ہماری کتاب ہے، تب بھی ہم اس شکر سے عہدہ برا نہیں ہوسکتے....."

اپنے بیٹے حجۃ الاسلام والمسلمین سیّد احمد خمینی کے نام امام خمینیؒ کے ایک خط سے اقتباس۔ مورخہ ۴ رجب ۱۴۰۲ھ